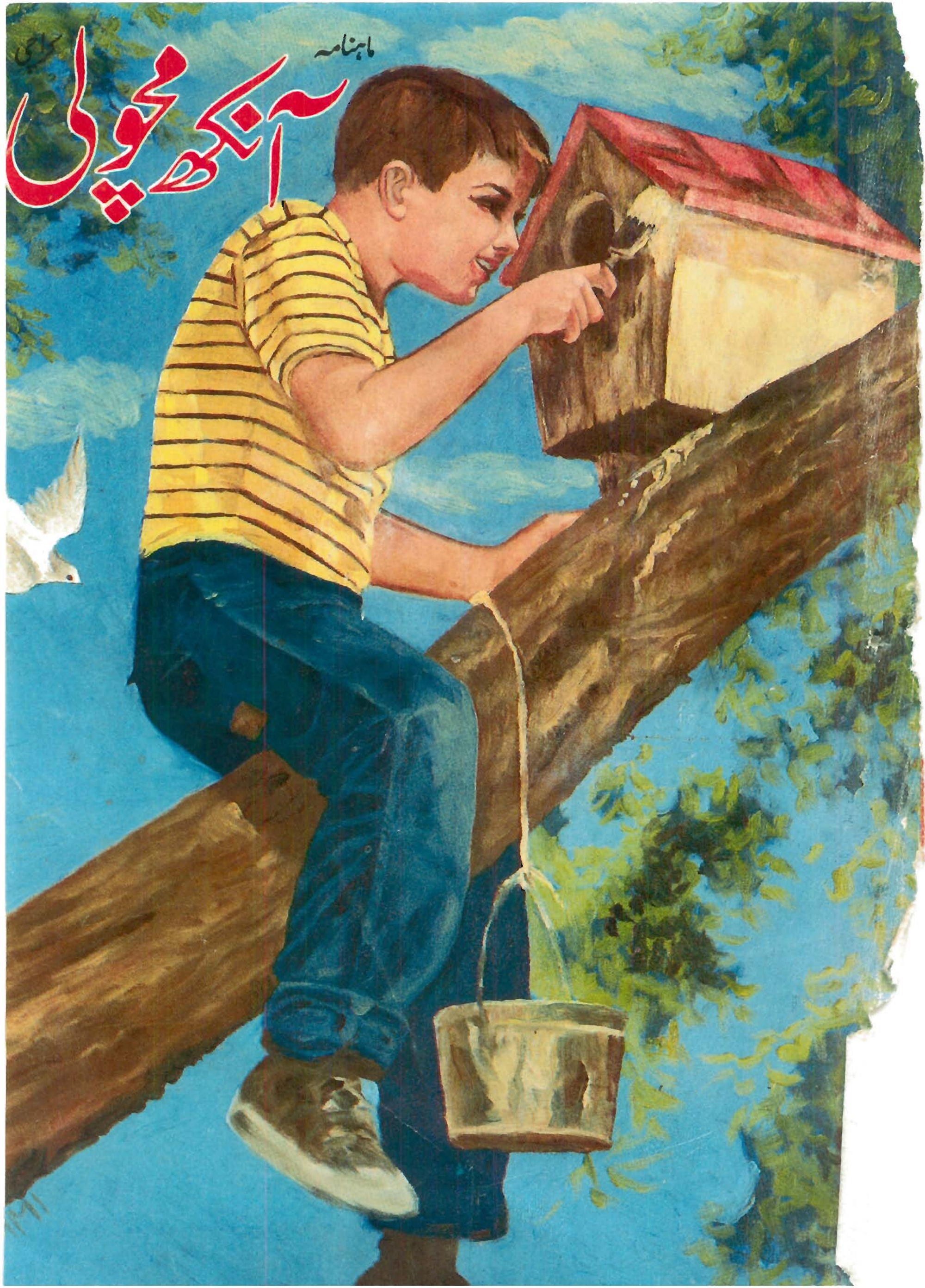
ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی

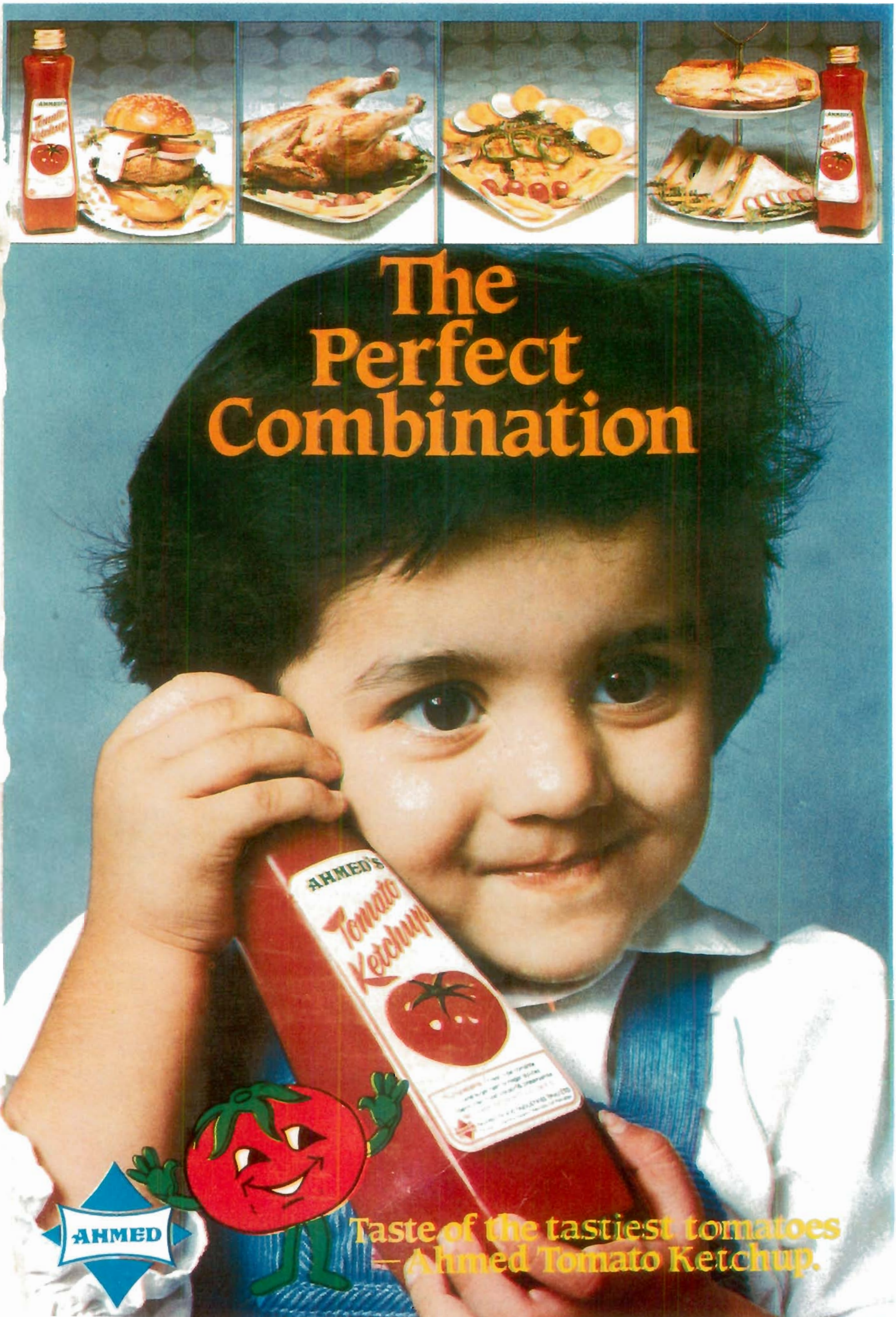
The Perfect Combination
AHMED'S
Tomato Ketchup
AHMED
Taste of the tastiest tomatoes
—Ahmed Tomato Ketchup.

ماہنامہ آنکھ مچولی کراچی

جلد نمبر ــــــ ۲
شمارہ نمبر ــــــ ۲
اگست ــــــ ۱۹۸۷ء
ذی الحجہ ــــ ۱۴۰۷ھ
قیمت ــــــ ۵ روپے
زرِ سالانہ کے لیے خصوصی
بچت اسکیم کا صفحہ دیکھئے

سرپرست
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

مدیرِ اعلیٰ
ظفر محمود شیخ

مدیرِ مسئول
تجمل حسین چشتی

مدیرانِ اعزازی
امجد اسلام امجد
محمد سلیم مغل

مدیرِ معاون
محمد اعظم منہاس

قانونی مشیر (اعزازی)
خواجہ عدیل احمد ایڈووکیٹ

ناظمِ اشتہارات
طارق ظفر ربّی

کیلی گرافی
رئیس الحسن

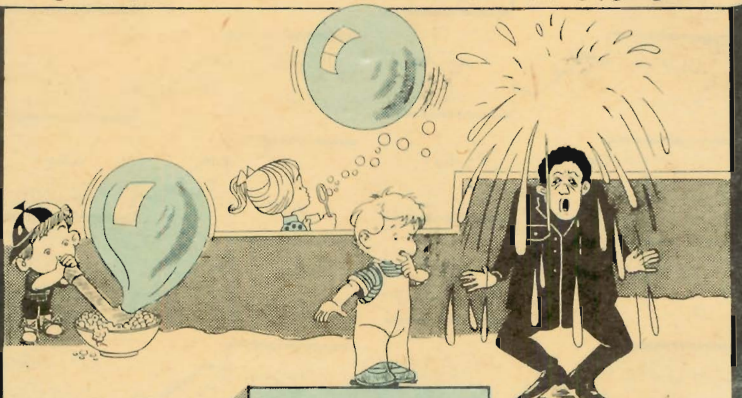

گرین گائیڈ اکیڈمی
ادارۂ اشاعت برائے
تعلیم و تعمیرِ سیرتِ اطفال
زیرِ سرپرستی
ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی

ناشر : ظفر محمود شیخ ، طابع : زاہد علی ، مطبع : لاریب پرنٹنگ پریس ، ایم اے جناح روڈ ، کراچی
برائے خط و کتابت و مقام اشاعت : گرین گائیڈ اکیڈمی ۲/۱۱۱ ڈی نورس روڈ سائٹ کراچی

حسنِ ترتیب

اداریہ — ۵

اچھی بات (حکایت سعدی) — ۶

نعت — خواجہ عابد نظامی — ۷

زادِ راہ — منتخب اقوال — ۸

سالنامہ ۸۷ء پر ممتاز شخصیات کے تاثرات — ۹

ڈاک ڈاک کس کی ڈاک — خطوط کے جوابات — ۱۱

اس ماہ کا نام کیسے پڑا — عمیر الطیف — ۱۵

کھڑکی — شاہد جمیل — ۱۷

آئی ہے عید قرباں — (نظم) نفیس فریدی — ۲۵

آزادی — اسماء ہارون — ۲۷

جب آپ بنے جاسوس — (ذہنی ورزش) نعیم بلوچ — ۳۱

اے پاک وطن — (نظم) محمد جاوید خالد — ۳۷

کھیت کھیت ہریالی — مصطفیٰ چانڈ — ۳۹

ہاکی — (نظم) محمد امان خان دل — ۴۸

آتے جاتے — (آدابِ زندگی) محمد اعظم منہاس — ۴۹

مزے دار لطیفے — (منتخب لطائف) — ۵۱

ٹوٹی ہوئی بیساکھی — سید خورشید عالم — ۵۷

ڈیم کی سیر — (حق اسکواڈ) اخلاق احمد — ۵۹

انکل آئی کیو روبوٹ — (سائنسی سوال و جواب) — ۶۷

پاسبان — (سلسلہ وار ناول) الیف ملک سلیم — ۷۱

ویڈیو کارڈز جمع کرنا — (مشاغل کی کہانی) عقیل عباس جعفری — ۷۹

شامت — (روسی بچوں کی کہانی) عظیم سرور — ۸۷

دائرہ معلومات — ام رباب جعفری — ۹۴

کیا سمجھے؟؟ — محمد سلیم مغل — ۹۹

میرل فسادی — غازی مختار — ۱۰۳

ننھے ہاتھ ننھی تحریریں — بچوں کا سیکشن — ۱۰۹

آؤ ملائیں ہاتھ — (قلمی دوستی) — ۱۱۵

ایک صفحہ امی ابو کے لیے — ۱۱۸

ہم نے سوچا بھی نہ تھا کہ
سالنامہ آپ کو اس قدر پسند آئے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سالنامے کے تین ایڈیشن شائع ہوئے اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔۔۔ ملک بھر سے بے شمار آرڈر مزید بھی موصول ہوئے ہیں مگر سالنامہ ہی شائع ہوتا رہا تو اگست کے شمارے کا کیا ہوگا۔ ہمارے ساتھیوں نے جس بڑی تعداد میں ہمیں مبارک باد کے خطوط لکھے ہیں اُس پر ہم اُن کے بھی ممنون ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں یہ سب کچھ کرنے کی توفیق دی اور ہمیں ایک سال کی مختصر مدت میں وہ مقام عطا کیا جس کا ہم نے تصور بھی نہ کیا تھا۔۔۔

ہم نے سوچا تھا کہ اِس بار اداریے میں آپ سے سالنامے کے متعلق بہت سی باتیں ہوں گی، مگر آپ سے ہونے والی باتوں کا شیرازہ تو بم کے اُن خوفناک دھماکوں نے منتشر کر دیا جو حال ہی میں کراچی میں ہوئے۔ اِن بموں نے کراچی میں قیامتِ صُغریٰ کا سماں پیدا کر دیا۔۔۔ کتنے گھروں کے آنگن ویران ہوگئے۔۔۔ اور کتنی گودیں اُجڑ گئیں۔۔۔ کتنے معصوم بچّے اپنے پیارے پیارے امّی ابّو سے محروم ہوگئے۔۔۔ اور کتنے ایسے ہوں گے جن کے بھیّا، بہنا بازار گئے تو لوٹ کر نہ آئے۔ ایک سو کے لگ بھگ لوگ پل بھر میں موت کی گود میں جا بیٹھے اور اپنے پیچھے آہوں، سسکیوں اور نہ بھرنے والے زخموں کو چھوڑ گئے
یہ پہلا دھماکہ نہ تھا، اِس سے قبل لاہور، راولپنڈی اور پشاور میں بھی ایسے بہت سے دھماکے ہو چکے ہیں اور ایسی بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر تو ۱۹۴۷ء کے وہ المناک واقعات یاد آجاتے ہیں جن میں ہزاروں، لاکھوں لوگوں کو آزادی کی منزل تک آنے کے لیے خون کے دریا سے گزرنا پڑا تھا۔ تب کہیں جا کر یہ آزادی نصیب ہوئی تھی۔

ایسا لگتا ہے جیسے حصولِ آزادی کے ۴۰ سال بعد بھی دشمن کو یہ آزادی گوارا نہیں۔
وہ ہمارے اندر گھس آیا ہے اور اُس نے اپنے بم قدم قدم پر رکھ دیے ہیں۔۔۔ یہ بم زبانوں اور علاقوں کے نام پر آئے دنوں پھٹتے رہتے ہیں۔ خدا ہمیں ان سازشوں سے محفوظ رکھے۔ خدا ہمیں اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی اَمان میں رکھے۔۔۔ اپنے ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ سے وطن کی سلامتی کے لیے دُعائیں ضرور مانگیے کہ یہی تقاضہ آزادی کی سالگرہ کا ہوتا ہے۔

آپ کا دوست — ظفر محمود شیخ

اچھی بات

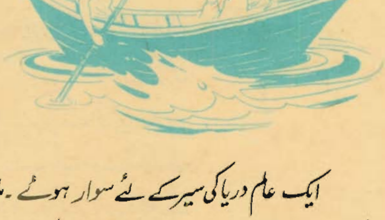

ایک عالم دریا کی سیر کے لئے سوار ہوئے۔ ملاح سے باتیں کرتے ہوئے عالم نے پوچھا، کیا تم فلسفہ سے واقف ہو۔ ملاح نے جواب دیا کہ نہیں! عالم نے کہا پھر تو تمہاری چوتھائی زندگی ضائع ہو گئی، تھوڑی ہی دیر بعد پھر پوچھا کیا تم تاریخ سے واقف ہو۔ ملاح نے جواب دیا کہ نہیں، عالم نے اُسے بتایا پھر تو تمہاری آدھی زندگی ضائع ہو گئی پھر عالم نے پوچھا کہ تم علم فلکیات سے واقف ہو۔ ملاح نے جواب دیا کہ نہیں! یہ سن کر عالم گویا ہوا۔ پھر تو تمہاری ۷۵ فیصد زندگی ضائع ہو گئی اچانک دریا میں طوفان آگیا اور کشتی ڈوبنے لگی اس بار ملاح نے عالم سے پوچھا "کیا آپ تیرنا جانتے ہیں "عالم کا جواب نفی میں تھا، ملاح نے جواب دیا "پھر تو آج آپ کی پوری زندگی ضائع ہو گئی۔ (حکایت سعدیؒ)

قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور مقدس نام آپ کے مطالعے اور معلومات کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔ ان کا احترام اور انہیں بے حرمتی سے بچانا آپ کا دینی فرض ہے۔۔ اگر کوئی ایسا کاغذ کہیں گرا ہوا نظر آجائے جس پر آیات، احادیث یا متبرک نام لکھے ہوتے ہوں تو آپ انہیں کسی محفوظ مقام پر رکھ دیں یا پاک، صاف پانی میں بہا دیں۔

نعت

خواجہ عابد نظامی

پیارے بچو! اس دنیا میں
سب سے اونچا ایک خدا ہے
اس کے بعد نبیؐ ہے اس کا
خلقت میں جو سب سے بڑا ہے
اونچی شانوں والے نبیؐ کا
نام بھی پیارا، کام بھی پیارا
اس کی ہر اک بات بھی پیاری
اس کا دین اسلام بھی پیارا

اس کا نام آنکھوں کی ٹھنڈک
ذکر اس کا ہے دل کا سہارا
اس کی باتیں شہد سے میٹھی
وہ سب کی آنکھوں کا تارا
اس کا پیارا نام محمدؐ
سن کر جس کو دور ہو ہر غم
نام ان کا تم سن کر پڑھنا
صلی اللہ علیہ وسلم

زادِ راہ

منتخب اقوال

جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا ربّ ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، اُن پر فرشتے نازل ہوتے اور کہتے ہیں کہ غم نہ کرو اور خوف نہ کرو، تمہارے لئے ہی جنت کی خوشخبری ہے
(القرآن)

سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی ایسی بات کہو جسے وہ سچ جانے حالانکہ تم نے جو بات کہی تھی وہ جھوٹی تھی۔ (حدیثِ رسولؐ)

ترقی نہ کرنے والا انسان اس پھول کی طرح ہے جو شاخِ گل پر تو آیا لیکن کھل کر اپنی بہار نہ دکھا سکا (حضرت علیؓ)

ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہر سے محبت کرے، اور یہ بات نہ بھولے کہ شہر قصبہ یا صوبہ ہمارے ملک ہی کا ایک حصّہ ہوتا ہے لہٰذا ہر شخص اپنے ملک اور قوم کی بہبود کو اولین اہمیت دے
(قائدِاعظمؒ)

اچھی کتابیں بہترین دوست ہیں۔ (حضرت علّامہ اقبال)

جاہل کا انکسار عالم کے غرور سے بہتر ہے (ابنِ خلدون)

کسی کی ترقی و عروج پر حسد کرنا انسان کو خدا کا ناشکرا بنا دیتا ہے (سفیان ثوریؒ)

والدین کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھنا عبادت ہے (حضرت داتا گنج بخشؒ)

زیادہ قسمیں کھانے والا زیادہ جھوٹ بولتا ہے (مولانا رومؒ)

تیز ذہانت بعض اوقات "تیز چاقو" کا کام کرتی ہے اور خود اپنی انگلیاں زخمی ہو جاتی ہیں۔
(مولانا محمد علی جوہرؒ)

صرف ایک لڑی کے ٹوٹ جانے سے پوری زنجیر ناکارہ ہو جاتی ہے! (ابوالعلامعریؒ)

ماہنامہ آنکھ مچولی کے پہلے

ایک سالہ سفر کی تکمیل پر

ممتاز شخصیات کے تاثرات

انور مقصود

ڈاکٹر منظور احمد

سیّد ابوالخیر کشفی

آنکھ مچولی پہلے شمارے سے ملتا رہا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس سے پہلے میں نے رسید بھی نہ بھیجی۔ اب آپ کا سالنامہ ملا تو محسوس ہوا کہ اپنی رائے کے اظہار کی گھڑی میرے لیئے آگئی ہے۔

آنکھ مچولی نے قدم قدم اپنا فاصلہ طے کیا اور اب سالنامہ دیکھ کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر قدم ایک چھلانگ تھا ـــــ ایک جست۔

آپ نے مضامین میں تنوّع کا خاص خیال رکھا، نظموں پر بھی توجّہ دی، آج کے تقاضوں اور بچّوں کی دلچسپی کا احترام کیا، اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے ننھے پڑھنے والوں کی معلومات اور علم میں بھی اضافے کو ایک منصوبہ کے طور پر اپنـــایا۔

ایک بات ـــــ اور وہ یہ کہ رسالے میں بعض مضامین کی زبان بہت مشکل نظر آئی ۔ مدیر کی حیثیت سے آپ کو زبان کی ہم آہنگی اور ہمواری کا خیال رکھنا چاہیئے ۔ رسالہ کی آرائش اور زیبائش کا ذکر یُوں نہیں کرتا کہ یہ آپ کا میدانِ خاص ہے ۔

ـــــ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی

آنکھ مچولی کے اربابِ کار کی طرف سے رسالہ کا تحفہ باقاعدگی سے ملتا رہتا ہے، اور میرے دونوں نواسے جن میں ایک ابھی صرف ڈھائی سال کا ہے مجھ سے مُطالبہ کرتے ہیں کہ میں اُنھیں آنکھ مچولی سُناؤں ۔ مجھے نہیں معلوم اِس چھوٹے سے بچّے کے لیئے آنکھ مچولی قابلِ فہم بھی ہے یا نہیں، لیکن وہ نہایت توجّہ اور خاموشی سے اُسے سنتا ہے اور میں بھی اِسے دلچسپی سے پڑھتا ہوں ۔ یُوں سمجھ لیں کہ ڈھائی سال سے چھپن سال تک کی عمر کے بچّوں میں یہ رسالہ مقبول ہے۔

آنکھ مچولی میں اس کے مُدیران نے جتنی اَصناف کی دلچسپیاں یکجا کر دی ہیں ان کی مثال ملنا مشکل ہے ۔ اس میں معلومات، دلچسپی، عمل، تجسّس، مناظرِ قُدرت کی طرف رغبت، مقولے، لطیفے، تاریخ اور معلومات، غرض کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس میں نہ ملتا ہو ۔ میری نظر میں یہ بڑا قابلِ قدر کام ہے جو اس رسالہ کے مُدیر کر رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ یہ دن دُونی اور رات چوگنی ترقّی کرے گا ۔ میں اتنا اچھا رسالہ نکالنے پر ادارہ کو مبارک باد دیتا ہوں ۔

ـــــ ڈاکٹر منظور احمد

بارے دنیا میں رہو، غم زدہ یا شاد رہو ــــ ایسا کچھ کر کے چلو تم کہ بہت یاد رہو

آپ نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے وہ یاد رکھے جانے کے لیے کافی ہے ۔

ـــــ انور مقصود

رعایت

۵ روپے فی کلو

رعایت

۵ روپے فی کلو

رعایت

۵ روپے فی کلو

یہ رعایتی کارڈ اپنے قریبی فریش ویل سوئٹس کے سیلز پوائنٹ پر لے جائیں اور مٹھائی کی کسی بھی مقدار پر ۱۰ روپے فی کلو کی رعایت حاصل کریں۔ یہ رعایت یکم تا ۱۵ اگست ۸۲ء جاری رہے گی

نام سیلز پوائنٹ ______________

وزن مٹھائی ______ تاریخ ______

یہ رعایتی کارڈ اپنے قریبی فریش ویل سوئٹس کے سیلز پوائنٹ پر لے جائیں اور مٹھائی کی کسی بھی مقدار پر ۱۰ روپے فی کلو کی رعایت حاصل کریں۔ یہ رعایت یکم تا ۱۵ اگست ۸۲ء جاری رہے گی

نام سیلز پوائنٹ ______________

وزن مٹھائی ______ تاریخ ______

یہ رعایتی کارڈ اپنے قریبی فریش ویل سوئٹس کے سیلز پوائنٹ پر لے جائیں اور مٹھائی کی کسی بھی مقدار پر ۱۰ روپے فی کلو کی رعایت حاصل کریں۔ یہ رعایت یکم تا ۱۵ اگست ۸۲ء جاری رہے گی

نام سیلز پوائنٹ ______________

وزن مٹھائی ______ تاریخ ______

ڈاک ڈاک کس کی ڈاک

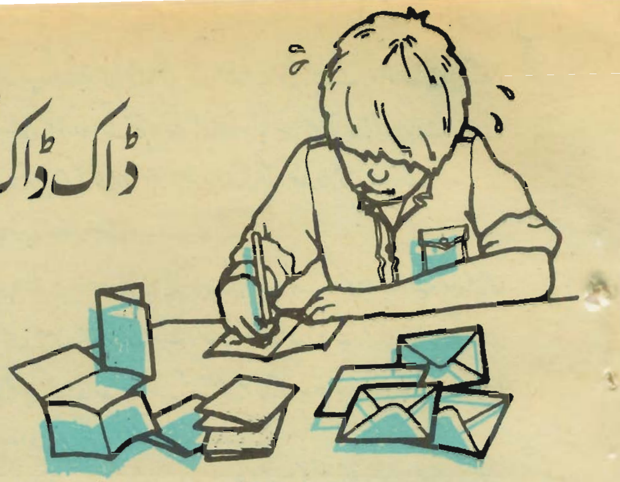

——— ارشد اللہ الٰہی عادل، منگھوپیر کراچی ———

سالنامہ ۸۷ء، پڑھ کر آپ کا دل باغ باغ ہوگیا۔ یقین مانیئے آپ کا خط پڑھ کر ہمارے دل میں بھی خوشی کی کلی کھل اُٹھی، یُوں سمجھیئے کہ اللہ کے فضل وکرم اور ہماری محنتوں کے سبب ہی سالنامہ ترتیب پایا اور آپ کو اچّھا لگا۔ آپ نے شکایت کی ہے کہ دائرہ معلومات کے جوابات آپ نے ارسال کئے تھے مگر ہم نے آپ کا نام تک بھی شائع نہیں کیا۔ دراصل آپ نے ایک غلطی یہ کی ہے کہ جوابات کے ساتھ "دائرہ" نہیں بھجوایا، اس لئے مقابلے میں آپ کے جواب ہی شامل نہیں ہو سکے، اُمید ہے آئندہ خیال رکھیں گے۔

——— نور الابصار، لانڈھی، کراچی ———

آپ کی نعت قابلِ اشاعت نہیں لیکن آپ مایوس نہ ہوں، دوبارہ کوشش کریں، اور اس مرتبہ ہمیں روانہ کرنے سے پہلے کسی شاعر کو دکھا کر درست کرالیں۔ مایوسی کو ایک طرف رکھتے ہوئے مسلسل محنت کرنے سے آپ مستقبل میں ضرور بڑے آدمی بن سکتے ہیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

——— الطاف احمد قریشی، دادو ———

سالنامہ آپ کو پسند آیا، ہمیں خوشی ہوئی، آپ کو شکایت تھی کہ ہم خط کا جواب نہیں دیتے۔ لیجئے ــ جواب پڑھ لیجئے، اور خوش ہو جائیے ــــ

——— مُحمّد ھمایوں یعقوب، حویلیاں، ھزارہ ———

شکایتوں سے بھرا آپ کا خط موصول ہوا، آپ نے لکھا ہے کہ قلمی دوستی کا کوپن بھیجا تھا، مگر ابھی تک شائع نہیں ہوا دیکھیں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، قلمی دوستی کے تعارف کی ایک لمبی قطار ہے، جس میں آپ کا نام بھی شامل ہے، بس باری

آنے کی دیر ہے ۔" بات بنگڑ" کے بارے میں آپ کی تجویز ہمیں اچھی لگی، انشاء اللہ ضرور عمل کریں گے۔ اسلامی بہنیوں کے تعارف سے متعلق آپ کی تجویز ہم نے نوٹ کرلی ہے، موجودہ سلسلہ ختم ہونے کے بعد یہ نیا سلسلہ بھی شروع کردیا جائے گا۔ ہاں آپ اچھی اچھی تجاویز اور مشوروں سے نوازتے رہا کریں، ہم آنکھ مچولی کو مزید بہتر بنانے کی جدّوجہد جاری رکھیں گے۔

—— وسیم اشرف، میاں چنوں ——

سالنامے کی ضخامت دیکھ کر آپ حیران رہ گئے —— اور تحفہ دیکھ کر آپ کی عقل دنگ رہ گئی، اب آپ ہماری بھی سنیئے۔ سالنامے کی تعریف اور تحفہ کی پسندیدگی میں ہمیں بھی ملک بھر سے لاتعداد خطوط موصول ہوئے کہ ہم بھی حیران رہ گئے اور جواب دیتے ہوئے تو ہم ان خطوں کے ڈھیر میں چھپ گئے ہیں اللہ آپ سب کے آنکھ مچولی کے ساتھ جذبۂ محبت کو تادیر سلامت رکھے۔

—— صائمہ ولی، کورنگی، کراچی ——

آپ اپنی تحریروں کے نہ شائع ہونے پر ناراض ہیں —— اصل بات یہ ہے کہ آپ کی تحریریں "ٹھیک ٹھاک" اور خیریت سے ہیں۔ بس ذرا آرام فرمارہی ہیں، شاید قابل اشاعت کی فائل انہیں بہت پسند آگئی ہے، آپ کا کہنا درست ہے کہ آنکھ مچولی ہی وہ واحد رسالہ ہے جو بچوں کو پڑھنے کے لئے سب سے زیادہ اور اچھا مواد مہیا کرتا ہے، ہمیں آپ کی اس بات سے بھی اتفاق ہے کہ دائرہ معلومات کا نیا انداز ہے تو قدرے مشکل —— مگر دلچسپ ضرور ہے۔ اور ہاں۔ آنکھ مچولی کے قارئین مشکلوں سے نہیں گھبرایا کرتے، ٹھیک ہے ناں ——

—— عظیم مُغل، کنری، ضلع تھرپارکر ——

سالنامہ دیکھ کر آپ کو خوشی ہوئی، دیکھئے ہم آپ کو خوش کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ ناں۔ آپ کی دُعا "آنکھ مچولی ملک بھر میں چودہویں کا چاند بن کر چمکے" کے جواب میں ہم آمین کہتے ہیں۔

—— رئیس احمد، اسکول روڈ پشاور ——

تجاویز سے بھرا ہوا آپ کا قابلِ قدر خط ہمارے پاس موجود ہے۔ آپ اطمینان رکھیں، آپ کی تجاویز جو قابلِ عمل ہوں گی ضرور پوری ہوں گی۔

—— عارف الرحمٰن، میٹھا خیل ——

سالنامہ اور اس کے ساتھ تحفہ کی پسندیدگی پر ہمارا شکریہ قبول فرمائیں۔ فائزہ صباحت کی تحریر "سحر ہونے تک" اور "حق اسکواڈ" کے مصنف اخلاق احمد تک آپ کی مبارکباد اِن سطور کے ذریعہ پہنچائی جارہی ہے۔ آپ کی خواہش کے عین مطابق "رومی بھیس بدلتا ہے" عنقریب اختتام کو پہنچ رہی ہے۔ آخری قسط دلچسپی سے بھرپور ہے، امید ہے آپ کو پسند آئے گی۔

—— ملی افتخار راجہ، ملتان ——

آپ کا خط بمعہ ہیروشیما پر ایٹم بم گرانے سے متعلق مضمون ہمیں مل گیا ہے۔ ماشاءاللہ آپ نے اچھا معلوماتی مضمون لکھا ہے۔ تھوڑا سا صبر اور کرلیں، کسی قریبی اشاعت میں شامل کردیا جائے گا۔ اپنی تخلیقات گاہے بگاہے ارسال کرتے رہا کریں۔

—— ندیم سجاد، گلبرگ، لاہور ——

آپ کا کہنا دُرست ہے کہ ہر شمارے میں انبیائے کرامؑ سے متعلق معلومات ہونی چاہئیں، یہ سلسلہ کسی نہ کسی حد تک جاری ہے۔ ہر ماہ قرآنی کہانی اور اسلامی مضامین میں ایسا مواد شامل ہوتا ہے۔

—— شفیق کھوسو، نصیرآباد، بلوچستان ——

آپ کو سب سے زیادہ "اچھی بات" پسند آئی ہے۔ ہمارا شکریہ قبول کریں، ہمیں اُمید ہے کہ آپ "اچھی بات" میں موجود نصیحتوں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے خود کو "اچھا بچہ" بنانے کی کوشش میں لگے ہوں گے، خدا آپ کو اپنے عزائم میں کامیابی دے۔

—— میمونہ شیخ، گلشن اقبال، کراچی ——

آپ نے ہمیں ڈرتے ڈرتے خط لکھا ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ آپ ہم سے کیوں ڈر رہی ہیں، اسی ڈر کے مارے ہم بھی ڈرتے ڈرتے جواب دے رہے ہیں کہ آپ بلا خوف وخطر ہمیں ڈرنے کی وجہ بتادیں یقین مانیئے ہم آپ کے کلاس ٹیچر نہیں ہیں۔ ہاں۔ دائرہ معلومات کا نیا انداز آپ کو پسند آیا ہے۔ اللہ کرے دوسرے بچے بھی اسے پسند کریں، آپ نے معلوماتی سلسلہ کے بارے میں پوچھا ہے۔ "توانکل روبوٹ" بھی تو سوال وجواب کا معلوماتی سلسلہ ہے۔ ناں۔ آپ اسے کیوں نہیں پڑھتیں۔

—— ریاست علی قائم خانی، کنڈیارو، نواب شاہ ——

دیکھیں آپ ناراضگی مُعاف کردیں، آپ کی لاتعداد تحریریں ہمیں —— موصول ہوئی ہیں، اور "ننھے ہاتھ نئی تحریریں" چند صفحات پر مشتمل ہوتا ہے، سب بچوں کی تحریریں شائع کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوتا، اس لئے قابلِ اشاعت تحریروں میں سے بھی چند منتخب تحریریں ہی شائع کی جاتی ہیں۔ اُمید ہے آپ ہماری مجبوری کو سمجھ گئے ہوں گے۔ اور ہاں آپ کا ارسال کیا ہوا عید کارڈ ہمیں مل گیا تھا۔ ہم ایک بار پھر آپ کے شکر گزار ہیں کہ عید کے موقعہ پر بھی آپ نے اپنے پیارے رسالے کو یاد رکھا۔

—— پرکاش رائے، شہدادکوٹ ——

آپ نے لکھا ہے کہ آنکھ مچولی سالنامہ پڑھ کر حیرت کے مارے آنکھوں میں آنسو آگئے۔ دیکھیں جناب۔ ہم نے پہلے تو یہ سُنا اور دیکھا ہے کہ غم اور فرطِ مسرّت کے باعث آنسو آجایا کرتے ہیں مگر حیرت کے مارے، آپ کی آنکھوں میں آنسو آنے کا سن کر ہمارا منہ حیرت سے کُھلا کا کُھلا رہ گیا ہے۔ واقعی آپ نے حیرت کے آنسو ایجاد کرکے کمال کیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ اپنی اس ایجاد کو ذرا خفیہ ہی رکھیں ورنہ ہمارے دیگر ساتھی مختلف قسم کے آنسو ایجاد کرنا شروع کردیں گے۔

Interflow

حمیرا لطیف

اگست

سال کا آٹھواں مہینہ

اس مہینے کا نام کیسے پڑا؟

قدیم روم کے لوگ اگست کو سیکڈ لکس کہا کرتے تھے۔ یعنی چھٹا مہینہ۔ لیکن جب جولیس سیزر کے کلینڈر کو درست کرنے کے لئے مہینوں کی ترتیب بدلی تو سیکڈ لکس کا نام مناسب نہیں رہا اس لئے کہ یہ مہینہ آٹھواں ہوگا۔ روم کے عوام نے اس کا نام بدل دیا اور سیزر کے پڑپوتے اور روم کے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے اسی کے نام پر اس مہینے کا نام اگست رکھا گیا۔

وزیر اعظم
کا
پانچ نکاتی پروگرام

- ★ اسلامی جمہوریت کا استحکام
- ★ مساوات پر مبنی معاشی نظام کا فروغ
- ★ رشوت ، بے انصافی اور بدعنوانیوں کے خلاف جہاد
- ★ جہالت کا خاتمہ اور قوم کو جدید سائنسی دور سے ہمکنار کرنا
- ★ قومی اتحاد کو مضبوط بنانا

اسکی تکمیل میں تعاون ہمارا فرض ہے

نیشنل بینک آف پاکستان — قومی ترقی قومی بینک

United PID-1-26/87

شاہد جمیل

ایثار و قربانی کی کہانی   عیدِ قرباں کا خصوصی تحفہ

کھڑکی

"یہ تیرے باپ کا فٹ پاتھ ہے؟" بچوں کے کپڑوں والے راحت کے بیٹے کمو نے اپنی دونوں آنکھیں پھاڑ کر شوکی سے پوچھا۔ شوکی نے کہا۔

"نہیں بھائی۔ یہ فٹ پاتھ میرے باپ کا نہیں ہے۔ یہ مکان میرے باپ کا ہے۔ یہ دیوار میرے باپ کی ہے جس میں کیلیں ٹھونک کر تم نے بچوں کے کپڑے لٹکا رکھے ہیں، اس دیوار میں لگی ہوئی یہ کھڑکی میرے باپ کی ہے۔" شوکی نے نہایت آرام سے سمجھایا۔ اور پھر بتایا، "میری امی نے کہا ہے کہ اس کھڑکی کے سامنے سے بچوں کے کپڑے ہٹا کر اپنی دکان کے سامنے لگالو۔ کیونکہ تمہارے گاہک جب اس کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو میرے گھر کے اندر کا سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔"

"دکھائی دیتا ہے تو میں کیا کروں۔ اپنی کھڑکی بند کرلو۔" کمو نے کہا۔

"کھڑکی کیسے بند کروں ؟ ہوا بند ہوجائے گی اور ہم گرمی سے پریشان ہوجائیں گے ۔"

" پریشان ہوجاؤ تو ہوجاؤ۔ میں تو یہ کپڑے یہاں سے نہیں ہٹاؤں گا۔ یہ فٹ پاتھ ہے کسی کی جائیداد نہیں ہے ۔"

" ہم تمہارے پڑوسی ہیں۔ اس کا بھی خیال نہیں کروگے ؟ ہمارے مکان کی دیوار تمہارے مکان کی دیوار سے ملی ہوئی ہے۔ اس سے زیادہ قریب کا پڑوس اور کیا ہوسکتا ہے ؟ شوکی نے خوب اچھی طرح سمجھا کر کہا۔ لیکن کمّو تڑق کر بولا۔

"جاجا ! باپ کی طرح وکیل جیسی باتیں نہ کر۔ بنا ہے وکیل کا بیٹا۔"

" بنا نہیں ۔ سچ مچ ہوں ۔" شوکی نے جتادیا۔

کمّو بڑی ڈھٹائی سے بولا ۔

" ہمارے بازو بڑے مضبوط ہیں۔ نقدی رکھ کر باتیں کر !" پھر آواز بدل کر سرگوشی میں کہنے لگا ، " تو میرے ابّو کو اندر بھی کروادے گا نا تو ایک ٹیلیفون پر باہر آسکتے ہیں۔ ہم نقدی سے باتیں کرتے ہیں نقدی سے۔ تیرے باپ جیسے سات آدمیوں کے سر پھاڑ چکے ہیں میرے ابّو۔ اور گھنٹے بھر سے زیادہ اندر کبھی نہیں رہے ادھر گئے۔ ادُھر آئے۔ نقدی رکھ کر بات کر۔ کھوٹی باتیں مجھے پسند ہی نہیں ـــ"

شوکی نے سمجھانے کی کوشش کی ـــ

"کمّو ! دکان کے سامنے مال ہو تو دکانداری اچھی لگتی ہے۔ میری کھڑکی کے سامنے سے اپنا مال ہٹالو۔"

" ایک بار نہیں۔ سو بار کہہ دیا۔ نہیں ہٹاؤں گا۔ نہیں ہٹاؤں گا۔ بس ! جا جو جی چاہے کرلے۔"

تعلیم سے زیادہ شوکی کو تربیت دی گئی تھی۔ اسکول کی کتابوں سے زیادہ اسے زندہ رہنے کا طریقہ یاد کرایا گیا تھا۔ اور یہ تربیت اس کو اس کی امی نے اور ابّو نے دی تھی۔ ہوتا یہ تھا کہ روزانہ صبح جاگنے کے بعد سے لے کر رات سونے کے وقت تک۔ زندگی گزارنے کے سب طریقے اس کو بتائے جاتے تھے۔ تربیت کیا تھی پیار کی خوشبوؤں سے بسے ہوئے چھوٹے چھوٹے جملے ہوتے تھے۔ بھاری بھاری باتیں ہلکے پھلکے انداز میں خوبصورتی سے کہی جاتی تھیں۔ جن کا وزن پھول کی ایک پتّی سے کبھی زیادہ نہیں ہوا۔ اور جن کی خوشبو رات کی رانی سے کبھی کم محسوس نہیں ہوئی۔ اس کی تربیت میں غصّہ روکنے کی تاکید سب سے زیادہ تھی۔ اسی لئے شوکی کمّو پر غصّہ نہیں ہوا۔ اس کی بات کا اس نے کڑوا جواب نہیں دیا۔ صرف اپنی امی کو بتادیا۔

" بچّوں کے کپڑوں والا کھڑکی کے سامنے سے اپنا سامان ہٹانے کو تیار نہیں ۔"

شوکی کے ابّو آئے تو اس کی امی نے سارا قصہ انہیں کہہ سنایا۔ سن کر انھوں نے شوکی سے پوچھا تو اس نے صرف اتنا بتایا کہ وہ کھڑکی کے سامنے سے اپنا سامان ہٹانے کو تیار نہیں۔ کمّو کی بیہودہ باتیں اس نے اپنے ابّو کو نہیں بتائیں کیونکہ

ROYAL CROWN COLA
RC
CONTINENTAL BEVERAGES (PVT) LTD.
D-210, ESTATE AVENUE S. I. T. E., KARACHI-16
Phones : 295631 - 295497 - 295605

رسیلی سُپاری

وہ لُطف جو آپ بار بار چاہیں....

.....یقیناً وہ لطف رسیلی سپاری ہی کا ہے جسے ایک بار آزمانے کے بعد ہر ایک اس کے خوشگوار ذائقے اور لطیف مہک کا قائل ہو جاتا ہے۔

سُپاری کے صاف ستھرے ٹکڑوں کو قدرتی خوشبویات میں بسا کر ایک منفرد اور خوشگوار ذائقہ عطا کیا جاتا ہے اور پھر خوبصورت پیکٹوں میں بند کر کے اسے رسیلی کا نام دیا جاتا ہے۔

شالیمار فوڈ پروڈکٹس

اسے سکھایا گیا تھا کہ کسی کو کسی کے خلاف غصّہ دلاکر لڑائی جھگڑا نہیں کرانا چاہیے۔ اور یہ تو کوئی اور نہیں اس کے ابو تھے۔ اپنے ابّو کو جھگڑے میں کیسے پھنسا سکتا تھا۔ پھر بھی انہیں غصّہ آ ہی گیا۔ انہوں نے پولیس کو فون کر دیا۔ پولیس نے آکر امن و امان کی صورت حال بگاڑنے کے الزام میں رحمت کپڑے والے کو گرفتار کرلیا۔ لے جاتے ہوئے پولیس انسپکٹر کہہ رہا تھا۔

"نام تو تمہارا رحمت ہے۔ لیکن بنے ہوئے ہو زحمت۔ اور وہ بھی اپنے پڑوسی کے لئے اپنے مکان کی دیواروں سے بھی سبق لیتے تو اپنے پڑوسی کو گلے سے لگا کر رکھتے۔ دیکھتے نہیں تمہارے مکان کی دیوار تمہارے پڑوسی کی دیوار سے کس طرح گلے مل رہی ہے۔ جانتے ہو۔ پڑوسی سے لڑنا، اپنے پاؤں میں خود کلہاڑی مارنا ہے۔"

پھر زور سے ڈانٹ کر بولا، "آگے لگ" اور سپاہیوں کو حکم دیا، "ڈال دے اٹھاکر اس کو گاڑی میں۔"

پولیس کمّو کے ابّو کو لے کر چلی گئی، تو کمّو کا روتے روتے بُرا حال ہو گیا۔ شوکی سے دیکھا نہ گیا۔ کمّو کی امی بھی رو رہی تھیں۔ شوکی کمّو کے پاس گیا۔ کمّو روتے ہوئے بولا۔

"تم نے میرے ابّو کو گرفتار کروادیا۔ اچھا نہیں کیا۔"

شوکی نے سمجھایا۔

"نہیں کمّو! میرے ابّو نے گرفتار نہیں کروایا۔ اصل میں تمہارے ابّو میرے ابّو کی باتیں نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ اس لئے پولیس اُن کو سمجھانے لے گئی ہے۔ جب وہ خوب اچھی طرح سمجھ جائیں گے نا، تو پھر ان کو چھوڑ دے گی۔"

"نہیں! پولیس تو گرفتار کرتی ہے۔ سزا دیتی ہے۔ وہ کہاں سمجھاتی ہے؟" کمّو بولا۔

شوکی کو بہت افسوس ہو رہا تھا۔

مگر وہ عاجز تھا کہ اس کو کیسے سمجھائے۔

اس دن صبح سے لےکر شام تک کمّو کے گھر میں اُداسی چھائی رہی۔ اور شوکی کے گھر میں بھی۔ اس وقت اس کی کھڑکی کے سامنے کپڑے کے خریداروں کا ہجوم نہیں تھا۔ اور اس کے گھر میں کسی طرح بے پردگی بھی نہیں تھی۔ کھڑکی کھلی تھی۔ صاف ہوا جا رہی تھی۔ خاموشی تھی تو بڑی بے رونقی ہو گئی۔ اور جب اس کی کھڑکی کے سامنے خریداروں کا ہجوم لگا رہتا تھا۔ اور اس ہجوم سے شوکی کے گھر میں سب پریشان رہتے تھے۔ کہ اس کے گھر میں بے پردگی ہوتی تھی۔

پھر ہوا یہ کہ شام ہو گئی۔ اور رحمت چھوٹ کر آگیا۔ شوکی نے سوچا کمّو صحیح کہتا تھا۔

"تقدیر رکھ پھر باتیں کر۔ میرے ابّو گھنٹے بھر سے زیادہ کبھی اندر نہیں رہتے۔"

اور اب اس کی تیسری بات کے سچ ہونے کا شوکی کو دھڑکا لگا ہوا تھا۔

" میرے ابّو سات آدمیوں کے سر پھاڑ چکے ہیں۔"

شوکی کے گھر میں رات کے وقت جب سب سونے کے لئے اپنے اپنے بستر پر چلے گئے۔ اور سب روشنیاں بجھادی گیئں۔ اور چاروں طرف اندھیرا ہوگیا۔ اور شوکی بھی اپنے بستر پر چلاگیا۔ تو اس گھُپ اندھیرے میں اس کو رحمت دکھائی دیا۔ جس کے ہاتھ میں کلہاڑی نظر آئی۔ اور وہ اس کے ابو کا سر پھاڑنے کے لئے جوں ہی دوڑا۔ شوکی کے منہ سے چیخ نکل پڑی۔ سب لوگ جاگ رہے تھے۔ اس کے ابو نے جلدی سے لائٹ آن کر دی۔ سب دوڑ کر اس کے پاس آگئے۔ سب کا ایک ہی سوال تھا۔

"کیا ہوا بیٹے ؟ کیا ہوا ؟"

اب کچھ ہو تو شوکی بتائے۔ وہ شرمندہ سا ہوکر چپ ہوگیا۔ اپنے وہم پر خود ہنس پڑا۔ ماحول اچھا ہوگیا تو سب ہنس پڑے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ سب سو گئے۔ گہری نیند۔

اچانک رات میں شوکی کی امی چیخنے لگیں۔ شوکی کی آنکھ جو کھلی تو دیکھتا کیا ہے کہ اس کا پورا مکان زبردست آگ کی لپیٹ میں ہے۔ اور آگ اس کے بستر تک پہنچ چکی تھی۔ کسی کے نکلنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس کے ابّو نے پوری قوّت سے دروازہ توڑا تو سب باہر نکلے۔ لیکن اس کی امی کا سارا بدن جل چکا تھا۔ شوکی کے ہاتھ جل گئے تھے۔ اس کے ابّو البتہ بچ گئے تھے۔

محلّے کے سب لوگ جمع ہو گئے۔ کسی نے ایمبولینس منگوالی تھی۔ کسی نے فائر بریگیڈ بلوایا تھا۔ کہ جب سب باہر نکلے تو پانی سے بھیگ چکے تھے۔ اور زخم سے بھر چکے تھے۔

اسپتال میں سب کا علاج ہوا۔ جب سب اسپتال سے اچھے ہوکر نکلے۔ تو شوکی کی امی کے ہاتھ اور پاؤں کی کھالیں اتر چکی تھیں۔ اور سب زخم اچھے ہو چکے تھے۔ شوکی کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی جل کر بیکار ہوگئی تھی۔ اس کے ابّو کو معمولی زخم آئے تھے۔ وہ بھی اچھے ہو گئے۔

پھر جب سب مکمل اچھے ہو گئے، تو شوکی کے ابو نے وہ مکان بیچ دیا۔ اور اپنے بھائی کے مکان کے پاس ہی ایک نیا مکان خرید لیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہی تھی کہ رحمت بچّوں کے کپڑوں والا اب لوگوں کا جانی دشمن ہوگیا تھا۔ شوکی کے ابّو کہتے تھے۔

" خیریت ہوئی کہ اس نے میرے مکان میں آگ ہی لگا کر اپنا غصّہ نکال لیا۔ اگر وہ ہم میں سے کسی کو جان سے

مارکر اپنا غصّہ نکالتا تو کیا ہوتا۔"

نئے مکان میں جہاں وہ لوگ گئے تھے۔ وہاں کسی چیز کی دکان دور دور نہیں تھی۔ کیونکہ یہ جگہ خالص رہائشی تھی۔ اور پہلے جہاں وہ تھے خالص کاروباری جگہ تھی۔ اس لئے یہاں بہت سکون تھا۔ نہ گاڑیوں کا شور۔ نہ بازار کی چیخ و پکار۔

پھر ایک دن حج کی قرعہ اندازی پر شوکی کے ابو کا نام آگیا۔ شوکی نے بڑے شوق سے کہا۔

" ابّو میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

اُس کے ابّو ہنسنے لگے۔ اس کی امی بھی ہنسنے لگیں۔ بات ہی ہنسنے کی تھی۔ لیکن شوکی چٹ کر بولا۔

" یہ کیا ــ؟ پیسے تو بہت ہیں آپ کے پاس۔ کیوں نہیں لے جاتے مجھے؟ میں آپ کا تھوڑا ہی کروں گا!"

اس کی امی اور ابّو اس کے اس بھولپن پر پھر ہنسنے لگے۔ بولے۔

" بیٹا جب تم بڑے ہو جاؤ گے تب جانا" اور جانے کیا کیا بہلا واشوکی کو دے کر خاموش کردیا۔

غرض شوکی کے ابّو بحری جہاز کے ذریعے حج پر چلے گئے۔ اور اسے نہیں لے گئے۔ جس کا اسے بہت غم ہوا۔ اس دن اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ ابّو گھر کا سارا انتظام شوکی کے چچا کے ہاتھ میں دے کر گئے تھے۔

ایک دن اس کے چچا باہر سے آئے تو انہوں نے اس کی امی سے کہا۔

" وہ رحمت تھانا بھا بھی جان، بچّوں کے کپڑوں والا۔ جس نے آپ کے مکان میں آگ لگائی تھی اس کے بیٹے کمّو کی حالت خراب ہے۔

" کیا ہوا؟ شوکی کی امی ایک دم چونک پڑیں۔

اس کے چچا بولے۔

" کمّو کا ایک گُردہ بیکار ہوگیا ہے۔ اخبارات میں اشتہارات بھی دیئے گئے۔ اسپتال کا عملہ بھی پریشان ہے۔ لیکن جس کو تیّار کیا جاتا ہے وہ آخر میں آکر انکار کردیتا ہے یہاں تک کہ رحمت نے غریب لوگوں کے گھروں پر جاکر نوٹوں کی گڈیاں لوگوں کے قدموں پر رکھ دیں۔ التجا کی کہ گردہ دے کر اس کے بچّے کی جان بچالی جائے۔ لیکن کوئی تیار نہیں ہوا۔

بے ساختہ شوکی کے منہ سے نکل گیا۔

" کمّو تو کہتا تھا نقدی سے ہم لوگ باتیں کرتے ہیں! تو اب نقدی کیوں نہیں کام آتی ؟"

اس کے چچا بولے ــ

" ہاں بیٹے اللہ تعالیٰ کو غرور تو پسند ہی نہیں۔ اب اس وقت اس کی سب نقدی کاغذ کے ردی سے زیادہ

نہیں۔ گردُے کی جگہ گرُدہ ہی لگ سکتا ہے نقدی نہیں۔"
شوکی نے چچا سے پوچھا۔
"چچا جان میں نے سنا ہے آدمی کے لئے ایک گردہ کافی ہوتا ہے؟"
حیرت سے سب شوکی کا منہ تکنے لگے۔ اس کے چچا نے پوچھا۔
"کہاں سنا ہے؟"
شوکی نے کہا۔
"پروگرام ٹی وی کلینک میں۔"
اب تو اس کے چچا کے پاس الفاظ نہیں تھے۔ وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ شوکی بول پڑا۔
"میں اپنا گردہ کمّو کو دوں گا" اپنے چچا کے تیور دیکھتے ہوئے تیزی سے اس نے یہ بھی جوڑ دیا کہ "آپ مجھے روکیں گے نہیں۔ بلکہ آپ ڈاکٹر کو اجازت دیدیجئے گا۔ ٹھیک ہے نا؟"
اس کے چچا ہکّا بکّا رہ گئے۔ اس کی امی ڈانٹنے لگیں۔ لیکن انہیں بھی اس نے ایسی بات کہی کہ وہ کچھ نہ بول سکیں۔ اس نے کہا۔
"امی اگر مجھے گردُے کی ضرورت ہوتی تو آپ کیا کرتیں۔" اور ایک گردہ تو مجھے بھی زندہ رکھ سکتا ہے۔ میں تو بڑا ہو کر بھی اللہ کے بندوں کے کام آنا چاہتا ہوں۔
معلوم ہو رہا تھا جیسے دریا کا بند ٹوٹ گیا ہے۔ بولتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس کی امی نے ایک دفعہ پھر زور سے ڈانٹا۔ لیکن اس نے آخری الفاظ ان کو سنا دیئے۔
"امی جان! اگر آپ اجازت نہیں دیں گی میں اللہ تعالیٰ سے کہوں گا مجھے نیک کام کرنے سے امی منع کرتی تھیں۔"
اس پر اس کی امی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ شوکی بولا۔
"چچا جان! کمّو کو گردہ نہیں ملا تو وہ مر جائے گا۔ اور میں اپنا ایک گردہ اسے دیدوں گا تو وہ بچ جائے گا۔ اس طرح میں بھی زندہ رہوں گا اور وہ بھی۔"
اب اس کے چچا کے پاس ایک ہی راستہ رہ گیا تھا شوکی کو اس کے اس ارادے سے باز رکھنے کا۔ انہوں نے اس کو یاد دلایا۔
"اسی کمّو کے باپ رحمت بچوں کے کپڑے والے نے تمہارے گھر میں آگ لگائی تھی۔ بھول گئے اتنی جلدی؟"

شوکی نے جواب دیا۔

"میرے ابّو نے یاد کرایا ہے کہ اپنی برائی اور دوسروں کی نیکی یاد رکھنی چاہیئے۔ اور —————— بھول گیا ہوں کہ اس نے میرے گھر میں آگ لگائی تھی۔ جس طرح ہمارے پیارے رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھول جاتے تھے کہ لوگوں نے مجھے پتھر مارا ہے۔

"تم بہت بڑے آدمی بنو گے" کہہ کر اس کے چچا نے بھی اجازت دیدی۔ اور اس کی امی کو بھی اجازت دینی پڑی۔ شوکی نے یہ بھی تاکید کردی تھی کہ کمّو کو نہ بتایا جائے کیونکہ وہ مرجائے گا۔ مگر اس بات پر راضی نہ ہوگا۔

اس طرح شوکی نے اپنا ایک گردہ کمّو کو دے دیا۔ اس کی جان بچ گئی۔

شوکی کے ابّو کو یہ خبر مبارکباد کے بعد سب سے پہلے شوکی کی زبان سے ہی بندرگاہ پر معلوم ہوئی۔ جب وہ حج سے واپسی پر خوشی خوشی شوکی کو سینے سے لگا کر پیار کرنے میں مصروف تھے۔

"ابو میں نے کمّو کو ایک گردہ دیدیا اپنا۔ کیونکہ اس کی جان خطرے میں تھی۔"

ٹھنڈی سانس لے کر اس کے ابو آپ ہی آپ بڑبڑائے۔

"تو اس خواب کی تعبیر یہ ہے!"

شوکی کی امی نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"کیسا خواب ——؟"

اس کے ابّو شوق سے بولے۔

منٰی میں قربانی کے دوران مجھے شوکی بیٹا بہت یاد آیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا۔ جس میں کوئی بزرگ مجھ سے کہہ رہے تھے۔ "جو قربانی تم نے دی ہے، وہ بھی اللہ کی خوشی کے لئے ہے۔ اور جو قربانی تمہارے بیٹے نے دی ہے وہ بھی اللہ کی خوشی کے لئے ہے۔ تم نے حج کیا۔ تمہارے بیٹے نے حجِ اکبر کیا۔" اس وقت میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی۔"

اور پھر وہ شوکی سے مخاطب ہوئے۔

"شوکی بیٹے! میں نے حج کیا۔ تم نے حجِ اکبر کرلیا۔ مبارک باد کے مجھ سے زیادہ تم مستحق ہو۔!"

سب کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے تر تھیں۔

آپ کی پسندیدہ اور مقبول ترین

بلّی مارکہ

میٹرو مِلن

اگربتّی

بھینی بھینی
اور مسحور کُن خوشبو والی
بلّی مارکہ

میٹرو مِلن اگربتّی

سیلوفین ایئر ٹائٹ پیکنگ میں
ٹیئر اِسٹریپ کے ساتھ

تمام ممتاز ڈیلروں سے دستیاب ہے۔

تیار کردہ:
میٹرو اگربتّی کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۴۸۸۔ کراچی
فون: ۲۹۲۷۳۷ - ۲۹۰۸۷۷ - ٹیلیکس: ۲۳۴۳۴ میٹرو پی کے

آئی ہے عید قرباں

نفیس فریدی

آئی ہے عیدِ قرباں ہر ایک کو خوشی ہے
اس عید کا نہ پوچھو یہ عید چٹ پٹی ہے

دُنبہ کہیں پہ بکرا گائے کہیں سجی ہے
پھولوں سے لمبی گردن کیا اونٹ کی لدی ہے

بچو! گلی میں اپنی بس گائے ہی کٹی ہے

اس عید کا نہ پوچھو یہ عید چٹ پٹی ہے

دُنبے کی ٹانگیں باندھیں دُنبہ بھی سٹ پٹایا
دیکھی چھُری تو بکرا آنکھوں میں آنسو لایا
گردن پہ گائے کی اب قصّاب کی چھُری ہے

اس عید کا نہ پوچھو یہ عید چٹ پٹی ہے

خوش ہو رہے ہیں بچے تِکے بُھنے اُڑا کر
چٹخارے لے رہے ہیں، شامی کباب کھا کر
کیا خوب قورمے کی خوشبو بسی ہوئی ہے

اس عید کا نہ پوچھو یہ عید چٹ پٹی ہے

کچھ گوشت آرہا ہے کچھ گھر سے جا رہا ہے
ہر اک مزے مزے کے کھانے پکا رہا ہے
خوشبو سے گوشت ہی کی ساری فضا اٹی ہے

اس عید کا نہ پوچھو یہ عید چٹ پٹی ہے

جہاں قالین وہیں صفائی

خوشخبری :- اب ہر ڈرائی کلیننگ کے ساتھ
ایک خوبصورت کی چین "مفت حاصل کیجئے!

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس :

عبداللہ ہارون روڈ فون : ۵۱۱۷۱۱

شاخیں :

- ○ بہادر آباد فون : ۴۱۳۶۹۵
- ○ جمشید روڈ 〃 ۴۱۱۳۰۲
- ○ کھارادر 〃 ۲۲۵۸۰۳
- ○ گارڈن روڈ 〃 ۷۲۲۴۳۳
- ○ برنس روڈ 〃 ۲۰۲۳۲۶
- ○ ڈیفنس فیز V فون : ۵۲۶۵۳۹
- ○ امیر خسرو روڈ 〃 ۴۱۳۶۹۵
- ○ راشد منہاس روڈ 〃 ۴۱۱۳۰۲
- ○ حسن اسکوائر 〃 ۵۲۶۵۳۹

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس : عبداللہ ہارون روڈ، کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۳۹

زونل آفس : صدر بازار۔ راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

انعام یافتہ کہانی

اسماء ھارون

آزادی

شہر کی پر ہجوم مارکیٹ سے ذرا ہٹ کر، دیوار کی اوٹ میں کھڑی ہوئی مَیں اپنی بس کا انتظار کر رہی تھی دو طرفہ ٹریفک کا وہ شور تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ دفتری اوقات ختم ہونے کی وجہ سے بھی لوگوں کی بھیڑ میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

"اس انبوہ میں شریف لوگ بھی ہوں گے اور غنڈے بھی یہ خیال نہ جانے کیوں اچانک میرے ذہن میں آیا۔ ابھی میں اپنے خیالوں ہی میں مگن تھی کہ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی نے سڑک کے کنارے چلنے والی دو نوعمر طالبات میں سے ایک کو عقب میں پہنچ کر دانستہ ٹھوکا دیا!۔ اور مکروہ ہنسی ہنستے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ یہ دیکھ کر، بس خون ہی تو کھول کر رہ گیا۔ وہ دونوں طالبات اب کچھ اور سمٹ سمٹا کر اور بچ بچا کر چلنے لگیں۔

بسیں غلیظ دھواں اگلتی، بے ہنگم شور مچاتی آ، جا رہی تھیں۔ بس کنڈیکٹر، بسوں کو زور سے تھپتھپاتے ہوئے اپنے اپنے روٹ کی آوازیں لگا رہے تھے۔ ویگنیں، پرائیویٹ کاریں، رکشائیں، موٹر سائیکلیں، ٹرک، غرض ہر ایک، دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چوراہے پر تعینات ٹریفک کانسٹیبل بُت بنا بے بس کھڑا تھا۔ اس کے سگنل اشاروں کی کوئی ذرا بھی پروا نہیں کر رہا تھا۔ ایک عجیب لاقانونیت کی سی کیفیت طاری و جاری تھی۔

"یاالٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟"۔ دو تین اوباش ٹائپ آدمی، ہاہا، ہی ہی کرتے ہوئے میری سمت آتے دکھائی دیے میں نے دل ہی دل میں اللہ کی پناہ طلب کی۔ میرے قریب پہنچتے ہی ان میں سے ایک، غالباً دانستہ پھسل کر سڑک پر گر پڑا۔ اور اس نے پڑے پڑے میرے پیروں کو چھوا۔ دوسرے ہی لمحے میرا مضبوط سینڈل، میری حسب قوت اس کے سر پر تین بار ضرب میں لگا چکا تھا! آتے جاتے لوگ فوراً ہی اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔

"ذلیل کتے!"..... میری زبان سے ابھی یہی تمہیدی الفاظ نکلے تھے کہ اس کے دوسرے ساتھیوں نے لپک کر اسے پکڑ کر اٹھایا اور جلدی سے کھسک گئے۔

اتنے میں یونیورسٹی بس آ گئی اور میں اس میں سوار ہو گئی۔

---

۱۴ اگست میں ابھی دو تین روز باقی تھے۔ میں آج بھی اپنی مقررہ جگہ پر بس کے انتظار میں کھڑی تھی۔ مجھ سے ذرا سا دور ہٹ کر ایک پختہ عمر کا چڑی مار آٹھ دس پنجروں میں، رنگ برنگی ننھی منی چڑیاں لیے بیٹھا تھا "ہائے اللہ! یہ پیٹ بھی کیا کیا دھندے کراتا ہے!" میں سوچنے لگی۔ یہ چڑیاں تو آزاد پیدا ہوئی تھیں....." میں ابھی اتنا ہی سوچنے پائی تھی کہ ایک سفید رنگ کی ٹویوٹا کار ہارن بجاتے ہوئے جھپاک سے اس چڑی مار کے پاس آ کے رکی۔ فوراً ہی دروازہ کھلا اور ایک خوش پوشاک، خوش رُو نوجوان باہر نکلا، پنجروں کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اس نے چڑی مار سے پوچھا۔ "بابا! ان سب کی کیا قیمت لو گے؟"۔ چڑی مار ہکا بکا سا ہو کر، اس نوجوان

کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بوبو بھئی! ان سب کی کیا قیمت ہے؟"

"باؤجی! آپ یہ سب کے سب پنجرے لیں گے؟" چڑی مار نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذباتی لہجے میں پوچھا:

"ہاں، ہاں! سب کے سب پرندے!"

"باؤجی! ایک دام، پنجروں سمیت ڈیڑھ سو روپے"۔ دوسرے ہی لمحے چڑی مار کی ہتھیلی پر دو سُرخ نوٹ رکھے تھے۔ وُہ نوجوان سُرعت سے ایک ایک پنجرہ اٹھاتا گیا اور ساری چڑیوں کو آزاد کر کے خالی پنجرے ایک طرف پھینکتا گیا! یہ سب کچھ بس چند ثانیوں کے اندر ہی ہوگیا۔ اور وہ خوش پوش نوجوان، اپنی کار میں بیٹھ، یہ جا وُہ جا!

معاً علامہ اقبالؒ کی مشہور نظم۔ "پرندے کی فریاد"۔ کا یہ مصرع بے ساختہ میری زبان پر رواں ہوگیا۔

ع میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے!

حق اسکواڈ

ماہنامہ آنکھ مچولی کا مقبول ترین سلسلۂ تحریر

اخلاق احمد کی مہماتی کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ

کتابی صورت میں شائع ہوگیا ہے

- بُرائیوں سے برسرِپیکار ۴ کمسن مجاہدوں کے کارنامے۔
- ذہانت اور شجاعت سے بھرپور حیرت انگیز واقعات۔
- خوبصورت اسکیچز — بہترین کتابت — اعلیٰ طباعت
- حسین سرِورق اور ۱۰۰ سے زائد صفحات۔

قیمت صرف ۱۰ روپے

— حق اسکواڈ کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر بھجوادیں۔

— دوکاندار اور ایجنٹ حضرات آرڈر سے مُطلع کریں۔

پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی ۔ ۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

اِک نیا کمال
اِک نیا معیار
نئے دور کی نئی پینسل
Goldfish
DELUXE PENCIL
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸ - ایس - آئی - ٹی - ای - کراچی
فون : ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲
Midas Khi

جب آپ بنے جاسوس...

ذہنی ورزش

نعیم بلوچ

اپنے ملک کی سلامتی کسے عزیز نہیں ہوتی! اس لئے اگر کبھی ہمیں یہ معلوم ہو یا کوئی ایسی بات ہمارے دیکھنے میں آئے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ اس سے ہمارے ملک کو نقصان پہنچے گا تو بلاشبہ ہمارا ردعمل یہی ہونا چاہیئے کہ ہم اس کام کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ اس بار ہم آپ کی ذہانت کا امتحان اسی قسم کے کسی واقع سے لیں گے۔ لیکن صاحب! ہم آپ کو پہلے یہ بتادیں کہ اس معاملے میں بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کی ضرورت ہوگی۔ جوش میں آکر براہِ راست اقدام سے نہ صرف آپ کی ذات کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، بلکہ اس سے ملک و قوم کو بھی نقصان ہوسکتا ہے۔ اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہے تو تیار ہو جائیے۔ آزمائش کا وقت آن پہنچا ہے!

ایک رات اچانک آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور پھر بار بار کی کوشش کے باوجود نیند نہیں آرہی۔ آپ کا

گھر ساحل کے قریب ہے۔ اور سوچتے ہیں کہ چاندنی رات ہے ذرا سمندر کا ہی نظارہ کرتے ہیں۔ آپ سمندر کی طرف چل پڑتے ہیں ابھی آپ کنارے سے ذرا دُور ہی ہوتے ہیں کہ پانی میں آپ کو ایک کشتی کھڑی نظر آتی ہے کشتی میں دو آدمی کچھ سامان اتار رہے ہیں۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس ساحل پر عام حالات میں کوئی جہاز یا کشتی وغیرہ نہیں آتی چنانچہ آپ!

ا سوچتے ہیں کہ یہ مزدور کوئی جرائم پیشہ قسم کے لوگ ہیں، زیادہ گمان یہی ہے کہ اسمگلر ہوں گے۔ لہٰذا سوچتے ہیں کہ ان کی کشتی کو ڈبو دیا جائے آپ ایک جگہ اوٹ میں ہو کر کشتی میں پتھر پھینکنا شروع کر دیتے ہیں۔

ب آپ ان آدمیوں کے پاس چلے جاتے ہیں اور جا کر پوچھتے ہیں کہ بھئی آپ کیا کر رہے ہیں؟

ج آپ کو پچھلے سال کا واقعہ یاد ہے کہ ایک مچھلیاں پکڑنے والی کشتی کسی مصیبت کا شکار ہو کر اس ساحل پر آگئی تھی چنانچہ اسے بھی آپ اس قسم کی کوئی کشتی خیال کرتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں۔

د چھپ کر کشتی کے نزدیک جاتے ہیں اور اصل حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

س بھاگ کر گھر واپس جاتے ہیں تاکہ دوسروں کو اس واقعے سے مطلع کر سکیں۔

۲۔ چھپ کر دیکھنے سے، یا کسی طرح آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ جرائم پیشہ بھی ہیں اور یہ بھی آپ کو صاف نظر آ رہا ہے کہ چند منٹ کے اندر اندر، ایک آدمی واپس چلا جائے گا اور دوسرا کشتی سے اتارا ہوا سامان کہیں چھپا دے گا یا اسے ساتھ لے جائے گا۔ چنانچہ آپ:

ا فیصلہ کرتے ہیں کہ سامان والے آدمی پر نگاہ رکھنی چاہیئے اور اس مقصد کے لئے تعاقب سے بھی گریز نہیں کرتے۔

ب یہ جرائم پیشہ لوگ انتہائی ظالم ہوتے ہیں، ذرا سی دخل اندازی کرنے پر بھی آدمی کو قتل کر دینا ان کے لیے کوئی بڑی بات نہیں ہوتی پھر میرے پاس نہ کوئی ہتھیار ہے اور نہ کوئی اور آدمی میرے ساتھ ہے، اکیلا تو کچھ بھی نہیں کر سکتا، لہٰذا اپنی جان بچانا ہی عقلمندی کا تقاضا ہے، یہ سوچتے ہیں اور جان کی خیر مناتے ہوئے واپس ہو جاتے ہیں۔

ج جھوٹ موٹ کا کوئی بہانہ کر کے شور مچاتے ہیں تاکہ وہ آپ کی طرف متوجہ ہوں اور آپ ان کو باتوں میں لگا کر کچھ وقت ان کو روک سکیں اس تدبیر سے آپ کا خیال ہے کہ شاید آپ کی آواز سن کر یا اتفاقاً کوئی آدمی اُدھر نکلے یا آپ ان سے گفتگو کے دوران کچھ معلومات حاصل کر سکیں۔

۳۔ ان دو آدمیوں میں سے ایک کو آپ پہچان لیتے ہیں۔ وہ آپ کے علاقے کا آدمی ہے۔ لوگ اسے تنگ

کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس صورت میں آپ:

ا ، چپکے سے گھر واپس آجاتے ہیں اور صبح پولیس کو اس واقعے کے بارے میں سب کچھ بتا دیتے ہیں۔

ب ، اس کے گھر تک اس کا پیچھا کرتے ہیں کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق اس گھر میں دوسرے جرائم پیشہ لوگ موجود ہوں گے۔ اور اس طرح آپ ان کے متعلق بھی کچھ معلوم کر سکیں گے۔

ج یہ سوچ کر واپس آجاتے ہیں کہ صبح اپنے دوستوں پر مشتمل ایک حق اسکواڈ بنائیں گے اور اس آدمی کے جرائم کی اچھی طرح تحقیق کریں گے۔

د گھر میں بڑوں کو بتانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ آپ کو یقین ہے کہ وہ آپ کی بات کو سچ جان کر کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔

۴ ، کشتی کے چلے جانے کے بعد جب آپ دوسرے آدمی کا تعاقب کر رہے ہوتے ہیں۔ تو وہ آپ کو دیکھ لیتا ہے اور دیکھتے ہی جیب سے پستول نکال لیتا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ:

ا ، چھپتے چھپاتے نزدیکی مکان "ہٹ" کی طرف بھاگ نکلتے ہیں، کیونکہ آپ کو کافی امید ہے کہ اس آدمی کی گرفت میں آنے سے پہلے آپ مکان کا دروازہ کھلوانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ب : پوری قوت سے چیخ چلا کر مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

ج ، ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں، تاکہ قریب جا کر اس سے دو دو ہاتھ کر سکیں۔

(۵)، صبح جب آپ دوسروں سے اس واقعے کا ذکر کرتے ہیں، تو کچھ لوگ اسے آپ کا خواب قرار دیتے ہیں اور کچھ آپ کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنے سے معذوری ظاہر کرتے ہیں تو کچھ آپ کو سختی سے ایسے معاملات میں پڑنے سے روک دیتے ہیں اور پولیس آپ کی بات پر یقین کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس صورتِ حال میں:

ا سب پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور خود بھی معاملہ اللہ کے سپرد کر دینے کا فیصلہ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔

ب کسی نہ کسی طرح کوئی پستول وغیرہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کا ارادہ ہے کہ آپ اکیلے ہی ان بدمعاشوں سے نمٹ لیں گے۔

ج ان لوگوں کی سرگرمیوں پر اس وقت تک نگاہ رکھنے کا فیصلہ کرتے ہیں، جب تک آپ کوئی ٹھوس ثبوت مہیا نہیں کر لیتے اس کے ساتھ ساتھ اپنے ایک دو قریبی دوستوں کو بھی اس مہم میں شامل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

آپ اپنے کئے ہوئے فیصلوں کے نمبر سکور بورڈ میں دیکھیں، پھر ان کو جمع کر کے نیچے دیئے گئے نتائج

کے مطابق اپنی کارکردگی کا جائزہ لیں۔

نتائج

۲۵ تا ۳۰ : آپ بلاشبہ حق اسکواڈ کے کسی رُکن سے کم از کم ذہانت کے معاملے میں کم نہیں ہیں۔ لیکن اتنے زیادہ خوش بھی نہ ہوں۔ کیوں کہ یہ کوئی زیادہ بڑا کام نہیں تھا۔

۱۵ تا ۲۴ : اگر آپ نے جرأت اور بہادری سے کام نہیں لینا ہوتا تو مناسب یہی ہے ایسے معاملات میں پڑا ہی نہ کریں۔

- ۱۵ سے کم نمبر : آپ ذرا کان قریب کریں......... ڈریں مت، ہم آپ کا کان کاٹنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے...... آپ رات باہر ہی نہ نکلا کریں۔ اور ہاں ایک بات اور سنیئے...... دِل کو مضبوط کرنے اور دماغ کو تیز کرنے کا کچھ بندوبست کریں۔

سکور بورڈ

(۱) ا، صفر، ب ، ۱، ج ، ۱ ے د ، ۶ (۲) ا = ۶ ے ب : ۱ ے ج : ۳ ے
(۳) ا = ۳ ے ب : صفر ے ج : ۳ ے د : ۶ (۴) ا = ۶ ے ب : ۲
ج ، ۱ : (۵) ۳ ے ب = صفر ے ج = ۶

حاضر جوابی

ایک رئیس زادہ اپنے مرحوم باپ کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا۔ وہاں قریب ہی ایک غریب لڑکا بھی اپنے باپ کی قبر پر فاتحہ پڑھ رہا تھا، امیر زادے نے فخر سے اُس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا "ہونہہ — یہ بھی کوئی قبر ہے جو چند ٹوٹے پھوٹے پتھروں اور مٹھی بھر مٹّی سے بنائی گئی ہے، میرے والد کی قبر دیکھو کیسی شاندار ہے، کتنے اچھے پتھر اور اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔

غریب زادے سے رہا نہ گیا اور کہنے لگا "ارے میاں قیامت کے دن تمہارے والد ان بھاری پتھروں سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہوں گے اور میرے والد صاحب یہ مٹھی بھر مٹّی جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوں گے اور جنّت میں بھی پہنچ چکے ہوں گے۔"

ہے نا حیرت کی بات

وجیہہ احمد صدیقی

"راؤسن" کی ضد تھی کہ ابّو انہیں نیا وڈیو گیم کمپیوٹر لا کر دیں۔ لیکن ابو نے یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور راؤسن سے کہا تم ہر وقت وڈیو کھیلنے میں لگے رہو گے، اور تمہاری توجہ پڑھائی سے کم ہو جائے گی۔ لہٰذا وڈیو گیم کمپیوٹر نہیں ملے گا اور اگر تمہیں ایسا ہی شوق ہے تو تم پرانے کمپیوٹر پر اپنے لئے نئے گیم خود بناؤ۔ گیارہ سالہ بچہ بھلا کمپیوٹر پر اپنا گیم خود کیسے بنا سکتا ہے؟ لیکن راؤسن نے تو کمال کر دکھایا.....

چند روز کے اندر اندر راؤسن نے اپنے کمپیوٹر میں نئے کھیلوں کی گنجائش پیدا کر لی۔ اس حیرت انگیز کارنامے پر راؤسن نے امریکہ بھر میں بہت شہرت پائی ان کی اس قابلیت کو دیکھتے ہوئے امریکہ کے اخبار "ڈیلی نیوز" نے انہیں "ہوم وڈیو گیمز" پر کالم لکھنے کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی اور یوں اس کالم کے ذریعہ بچوں بڑوں سب ہی کو کمپیوٹر کے بارے میں نئے نئے مشورے دینے شروع کر دیئے آجکل ان کا شمار وڈیو گیمز کمپیوٹر کے ماہرین میں ہوتا ہے۔ پانچویں جماعت کے طالب علم کے ہاتھوں اس جدید ترین ایجاد میں نت نئی اختراع اور اس کے علم پر عبور رکھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اگر امریکہ کا ایک کم عمر بچہ یہ کارنامہ انجام دے سکتا ہے تو یقیناً پاکستانی بچے بھی اپنے بہت سے کام کر سکتے ہیں۔ بس توجہ اور دلچسپی کسی بھی کام کے لئے ضروری ہیں۔ اگر آپ نے بھی کوئی ایسا کام کیا ہو تو ہمیں لکھ بھیجیں ہم آپ کا تعارف بھی شائع کریں گے۔

تواضع کے بہتر آداب
فریش ویل کا انتخاب
فریش ویل
Pure
Desi Ghee
AHMED
Freshwel
KARACHI
HALWA
Sohan
Delight
احمد

اے پاک وطن

(محمد جاوید خالد)

اے پاک وطن تجھ کو خدا ایسا بنائے
تا حشر تقدّس پہ ترے آنچ نہ آئے
اے پاک وطن تجھ کو خدا ایسا بنائے

ہر کوچہ ترا ذوقِ محبّت سے بھرا ہو
ہر شخص کے سینے میں خلوص اور وفا ہو
ہر سمت سے آواز یہ بس ایک ہی آئے
اے پاک وطن تجھ کو خدا ایسا بنائے

دیکھے تری عظمت کے جو انسان نظارے
خوش رنگ بنیں پھول، ہیں جتنے بھی شرارے
بستی نئی خوشبو کی ہر اک پھول بسائے
اے پاک وطن تجھ کو خدا ایسا بنائے

اسلام کا مسکن ہے تو قرآں کا امیں ہے
اے رشکِ عدن روپ ترا کتنا حسیں ہے
بدخواہوں سے اللہ سدا تجھ کو بچائے
اے پاک وطن تجھ کو خدا ایسا بنائے

پرچم ترا لہرائے یونہی سبز ہلالی
تجھ کو وہ خدا دے کہ ہو جگ تیرا سوالی
جگمگ کرے دامن کو ستاروں سے سجائے
اے پاک وطن تجھ کو خدا ایسا بنائے

جب تک ہے جہاں، دائم و قائم رہے تو بھی
بہہ جائے تری آن پہ خالد کا لہو بھی
لیکن تو سدا رونقِ دنیا کو بڑھائے
اے پاک وطن تجھ کو خدا ایسا بنائے

انعامی مقابلہ مضمون نویسی

بعنوان

"بستی آنکھ مچولی کی"

★ آپ شہر میں رہتے ہوں یا دیہات میں —
وطن کے جس گوشے میں بھی آپ رہائش پذیر ہوں اُسی جنت نگاہ پر کچھ لکھیئے ۔ ہم آپ کو دعوتِ تحریر دیتے ہیں ۔

★ اپنے شہر، قصبے یا گاؤں کا تعارف اپنے قلم سے کروایئے — اندازِ تحریر اتنا خوبصورت ہو کہ پڑھنے والا آپ کے تحریر کردہ نظاروں میں کھو جائے —

★ بستی کا نام ۔ پس منظر ۔ تاریخی حوالے ۔ یادگار جگہیں ۔ تفریحی مقامات ۔ تجارتی خصوصیات ۔ صنعتی، معدنی اور زرعی پیداوار ۔ آبادی ۔ قومی شہرت کی حامل شخصیات ۔ اہم سرگرمیاں ۔ تہذیب و تمدن ۔ رسوم و رواج اور وہ سب کچھ جو آپ اپنی بستی کے متعلق دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں ۔

شرائط ۲ (فل اسکیپ) صفحات، خوشخط تحریر، کاغذ کے ایک جانب، بستی کی رنگین تصاویر، (اگر ممکن ہو) ۔ تحریر نئی ہو اور اس سے پہلے شائع نہ ہوئی ہو، شرکت کی آخری تاریخ ۳۰ ستمبر ۸۷ء ، تمام مضامین ناقابلِ واپسی ہوں گے ۔

انعامات پہلا انعام ۵۰۰/- روپے دوسرا انعام ۲۵۰/- روپے ۔ تیسرا انعام ۱۰۰/- روپے ۔ علیحدہ لفافے پر یہ پتا تحریر کریں —

"بستی آنکھ مچولی کی" ماہنامہ آنکھ مچولی **گرین گائیڈ اکیڈمی** ڈی ۱۱۲۔ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

پرائڈ آف پوزیشن

پوزیشن ہولڈر ساتھیوں کو ان کے انعامات .... انشاء اللہ اگست کے پہلے ہفتے تک روانہ کر دیئے جائیں گے ۔

(ادارہ آنکھ مچولی)

مصطفیٰ چاند

کھیت کھیت ہریالی

یومِ آزادی کے حوالے سے خوبصورت کہانی

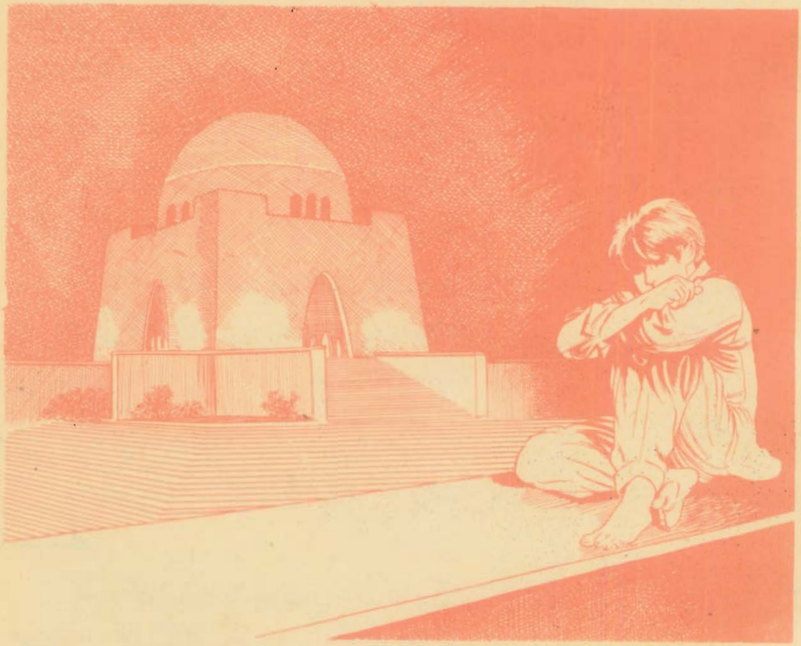

درختوں کے جھنڈ سے، اندھیرے کی سیاہی رفتہ رفتہ پھیکی پڑتی جا رہی تھی لیکن اب بھی اُجالا نمایاں نہیں ہو سکا تھا۔ ٹنڈ منڈ ڈالیوں پر پرندوں کی چہچہاہٹ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ تب، گاؤں کی قریبی مسجد سے مولوی نواز شریف کی پُرکیف اذان، خاموش، وادی میں مقدس نور کی طرح پھیلنے لگی۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ،

حَیَّ عَلَی الفَلَاح ، حَیَّ عَلَی الفَلَاح ، اَللّٰہُ اَکبَر ، اَللّٰہُ اَکبَر ،

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ،

"آؤ نماز کی طرف۔ آؤ کامیابی کی طرف۔ آؤ کامیابی کی طرف۔"
"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔"
اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔"

اذان کے ٹھنڈے میٹھے لفظ، سوئے ہوئے کسانوں کے کانوں سے اُتر کر ان کے من میں ہلچل مچانے لگے۔ دن بھر کے تھکے ہوئے کسان باری باری اُٹھنے لگے۔ اور مسجد کی طرف آنے والی پگڈنڈی جلد ہی نمازیوں کی آمد سے پُررونق ہوگئی۔ چاچا رَب نواز بھی لالٹین لئے ہوئے مسجد کی طرف چلنے لگے۔ آج سے چند سال پیشتر اس مسجد سے مولوی نواز تشریف کی جگہ فجر کی اذان وہی دیتے تھے۔ لیکن بڑھاپے کی وجہ سے اُن کی بینائی خاصی کمزور ہوچکی تھی اور اب تو بغیر لالٹین کے اندھیرے میں اُن کا نکلنا بھی مشکل ہوگیا۔ بس جوانی کی ایک عادت سی پڑی ہی تھی۔ سویرے اٹھنے اور باجماعت نماز پڑھنے کی جواب اُن سے کسی طرح بھی نہ چھٹتی تھی۔ تمام رات چاہے آسمان برستا رہے یا کڑاکے کی سردی ہو۔ چاچا رَب نواز کا مسجد میں پہنچنا لازمی تھا۔

نماز سے فراغت کے بعد مسجد سے کچھ فاصلے پر ہی مختلف لوگوں کی پارٹیاں بن جاتیں۔ کہیں ایک طرف بوڑھے کھڑے ہوکر نہر کے پانی پر گفتگو کرتے تو کہیں جوان لڑکے نئی فصلوں کو موضوعِ گفتگو بناتے لیکن جب فصل چڑھنے لگتی تو سب کا ایک ہی موضوع بن جاتا کہ

"فصل کیسی ہے ...؟"

اس وقت تو صرف بیج پھوٹے تھے اور سبز سبز پتے سیاہ بیجوں کے درمیان سے سر نہوڑے اسر اٹھانے کو بےتاب تھے۔

مسجد سے نکلنے والی ٹولیاں اب اپنے اپنے مکانوں کی طرف بڑھنے لگی تھیں۔ نماز کے بعد تو آسمان کافی حد تک صاف ہوچکا تھا اور دھواں اُگلتے ہوئے گھر بآسانی شناخت کئے جا سکتے تھے۔

نظیر احمد بھی گائے، بھینسوں کے ڈکارنے سے اُٹھ چکا تھا۔ لیکن بستر چھوڑنے کو اُس کا دل اب بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر کھلی آنکھوں کے ساتھ وہ زیادہ دیر تک وہاں نہ ٹھہر سکا اور چتکبری سی چادر اپنے اُوپر سے کھینچ کر پشاوری چپل گھسیٹتا ہوا وہ کھیتوں میں اُتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آیا تو دیسی گھی کے پراٹھے توے پر شُر شُر کرتے ہوئے گھوم رہے تھے۔ گرم پراٹھوں سے اٹھنے والے خوشبودار دھوئیں میں نظیر نے کئی لمبے لمبے سانس لئے اور ایک پیڑھی گھسیٹ کر چولہے سے کچھ پرے ہوکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک وہ وہیں خاموش بیٹھا رہا مگر بالآخر اُس سے صبر نہ ہوا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے واضح الفاظ میں کہنے لگا۔

"ماسی جلد کر ..." وہ اپنی ماں کو بھی ماسی کہا کرتا تھا۔ دراصل اُس کے ساتھ ہی اُس کے خالہ زاد بہن بھائی رہتے تھے۔ وہ بھی انہی کی دیکھا دیکھی ماں کو "ماسی" کہنے لگا۔

"صبر سے بیٹھ" تجھے کون سا کھیتوں میں جانا ہے... پہلے اُن کو دے دوں جنہیں ہل بھی جوتنے ہیں"۔ اس کی ماں نے لکڑی کے دھوئیں سے منہ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی تو جانا ہے... کیا ہوا کھیتوں پر نہیں جاؤں گا، اسکول تو جانا ہے نا..." نظر نے اسکول کا نام یوں لیا جیسے اُسے کہیں شفقت پر جانا ہو۔

"ہاں... ہاں" صبر سے بیٹھ... ابھی دیتی ہوں..." اُس کی ماں پھر سے روٹی پر دیسی گھی لگانے لگی۔ اور وہ گرسنہ نگاہوں سے توے کو گھورنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد گرم گرم پراٹھے کے بڑے بڑے لقمے توڑتا ہوا وہ چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔

دس منٹ کے بعد ہی جب اُس کا بابا اور احمد چاچا بڑے بھائی قدیر کو لے کر کھیتوں پر نکل گئے تو وہ بھی ملیشیا کی وردی اور سیاہ ٹوپی سر پر آڑی کر کے کتابیں رومال میں لپیٹ کر اسکول کی طرف چل پڑا۔

اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر جگہ جگہ اسکول جانے والے بچوں کی ٹولیاں کودتی، پھاندتی ہوئی اسکول کی طرف رواں دواں تھیں۔

جس وقت نظر اسکول پہنچا قومی ترانہ پڑھا جا رہا تھا۔ آج اُسے دیر ہوگئی تھی ورنہ وہ روزانہ پاکستانی جھنڈا اٹھائے سب سے آگے کھڑا ہوتا تھا اور قومی ترانہ پڑھتا تھا بس اُسے تمام وقت میں یہی چیز بھاتی تھی ورنہ تو ترانے کے بعد وہ عجیب سی اُلجھن محسوس کرنے لگتا تھا۔ نہ اُس کا دل کلاس میں لگتا نہ پڑھائی میں۔ وہ اب آیا، تو آخری قطار میں کھڑے ہو کر ترانے میں شامل ہوگیا۔

ترجمانِ ماضی شانِ حال۔ جانِ استقبال

سایۂ خدائے ذوالجلال..."

اِس کے بعد وہ قطاروں کے ساتھ چلتا ہوا اپنی کلاس میں آکر بیٹھ گیا۔ جب تک اُستاد کلاسوں میں آتے کلاسوں میں شور ہی شور گونج رہا تھا۔ کوئی تختۂ سیاہ پر کارٹون بنا رہا تھا تو کوئی اپنے کھیتوں کی تصویر۔ نظیر بھی اپنی سیٹ سے اُٹھ کر آگیا۔ چاک کا ٹکڑا اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اُس نے بڑے سے تختۂ سیاہ پر اُس سے بھی بڑا پاکستانی پرچم بنا دیا اُسی وقت ماسٹر کریم اندر داخل ہوئے تمام لڑکے پھرتی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر براجمان ہوگئے انہوں نے ایک نظر پوری جماعت پر ڈالی اور بلیک بورڈ صاف کر کے نیا سبق پڑھانے لگے۔

"کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے... یہاں کی آبادی کئی ہزار ہے... یہاں پر پورے پاکستان کے صوبوں کے لوگ رہتے ہیں۔ یہاں پٹھان، پنجابی، سندھی، بلوچی اور دوسری قومیں امن و امان اور محبت کے ساتھ رہتی ہیں.... یہ ایک صنعتی شہر ہے جہاں ہر وقت چلنے والی مشینیں پاکستان کی صنعت میں اضافے کا باعث بنتی ہیں، بے روزگاروں کو

یہاں روزگار فراہم کیا جاتا ہے ...اس کے .... "

ماسٹر کریم بلیک بورڈ پر لکھتے جا رہے تھے لیکن نظیر تو نقط "کراچی" پر ٹھہر چکا تھا۔ اُسے غفار ولد جمیل الدین کی باتیں اب بالکل سچ لگ رہی تھیں جو ایک بار شہر گھوم کر آیا تھا اور شہر کی ایسی ایسی تعریفیں کرتا تھا کہ نظیر کے اندر بھی ہلچل سی مچ گئی وہ بار بار سوچتا رہا۔

" شہر نہ معلوم کتنا بڑا ہوگا ...؟ چودھری کی زمینوں کی یا شاید اس سے بھی بڑا ....؟ لوگ وہاں ٹھنڈے کمرے سے کس طرح ٹھنڈی ٹھنڈی چیزیں نکال کر کھاتے ہوں گے؟ فوٹو دکھانے والے گھر میں آدمی کس طرح اتنے بڑے بڑے ہو جاتے ہوں گے ...؟ اور ...؟ اور ..؟"

پھر خیالات کا ایک طویل سلسلہ اُسے اپنی جکڑ میں لے لیتا۔

" نظیر .. اے ... نظیر ..." ماسٹر کریم کی آواز نے اُسے چونکا دیا وہ "کراچی" کے خیالات سے نکل آیا اور ماسٹر کریم کے سوالوں کے جواب دینے لگا۔

جس وقت وہ گھر پہنچا اس کی طبیعت خاصی بوجھل ہو رہی تھی۔ کتابوں کو کونے میں رکھی میز پر رکھ کر وہ کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ آگ اُگلتا ہوا سورج زمین کو بھی آگ بنا رہا تھا۔ نظیر تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا دھان کی فصلوں سے گزرتا ہوا۔ اپنے کھیتوں پر آگیا۔

قدیر بیلوں کی جوڑی سخت زمین پر ہل چلا رہا تھا اُس کے ماتھے پر بہت سارے پسینے کے قطرے جمع ہو گئے تھے جو کبھی یکجا ہوتے تو سخت مٹی میں ٹپک کر گول سا دائرہ بنا جاتے۔ نظیر قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔

" نہ معلوم ان پتھر جیسی زمینوں میں ہل چلاتے ہوئے انہیں کیا مزہ آتا ہے ....؟ "

" قدیر بھائی ان زمینوں پر کب تک فصلیں اُگاتے رہو گے .. ؟" اُس کے اندر تڑپنے والا سوال بالآخر زبان پر آ ہی گیا۔

"کیا مطلب ...؟" قدیر چونک کر بولا۔

سارے لوگ شہر چلے گئے۔ اپنی زمینوں کو بیچ کر۔ ایک ہم خاندان والے رہ گئے ہیں اور چند اور گاؤں والے ...جو اب تک یہیں چمٹے ہوئے تھے۔" نظیر کچھ دیر خاموش رہ کر دوبارہ بولا۔

"کیا فائدہ ان زمینوں کا ہر روز ہل چلاؤ تب جا کر فصل کی اُمید ہو ... ہونہہ ..."

" یہ تمہیں شہر کا چسکا کس نے لگا دیا ... ہیں؟ کیا تم جانتے نہیں ہو یہ ہمارے بزرگوں کی امانتیں ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد ان کھیتوں سے اپنا رزق پیدا کرتے رہے ہیں ہم انہی یادوں کو بیچ دیں اپنے اسلاف کو روپوں کے عوض چھوڑ دیں ...؟"

قدیر نے ہل چلاتے ہوئے اپنے ہاتھ روک لیے۔ نظیر کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا اور پھر واپس گھر کی طرف چل دیا۔ وہ جانتا تھا کہ قدیر کو وہ کبھی قائل نہیں کر سکے گا۔ اور پھر اُس کو قائل کرنا اتنا ضروری بھی نہیں تھا۔ اُس نے تو اپنے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کل پہلی گاڑی سے شہر روانہ ہو جائے گا۔ اُس نے رات ہی کو اپنے پیسے جو اُس نے دو سالوں سے جوڑ رکھے تھے اپنی جیب میں ڈالے اور اطمینان سے سو گیا۔

اگلے روز جب اذانیں ہو رہی تھیں وہ اُٹھا اور خاموشی سے بڑی سڑک کی طرف آ گیا۔ پہلی گاڑی نماز کے فوراً بعد نکلتی تھی اُسے اُسی کا انتظار تھا۔ اور پھر جب گاڑی آئی تو اُس نے آخری مرتبہ گاؤں کی اونچی نیچی فصلوں پر نگاہ دوڑائی اور بس میں بیٹھ گیا۔

جب وہ بس سے اُترا تو یوں لگتا تھا وہ مٹی میں لوٹتا رہا ہو اُس کے بال اکڑ چکے تھے۔ چہرے پر گرد جمی ہوئی تھی۔ اور صاف کپڑے میلے ہو چکے تھے۔

گاڑیوں کی ریل پیل دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا اُس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ کدھر سے سڑک عبور کر کے ہر طرف سواریوں کا شور تھا۔ بالآخر وہ تھک کر وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔

"اوئے چھوکرے اِدھر ہمارا دھندہ خراب کرتا پڑا ہے چل اِدھر سے کدھر اور جا کر بیٹھ ...." اچانک ایک فقیر نے اُس کا کندھا پکڑ لیا۔

"میں مانگنے والا نہیں ہوں ..." اُس نے چہرے کی گرد جھاڑتے ہوئے کہا۔

"پر میں تو ہوں نا مانگنے والا ..." یہ شہر ہے لوگ صرف اُسے بھیک دیتے ہیں جو فٹ پاتھ پر ہو نو کدھر سے آ گیا۔ مانگتا بھی نہیں ہے اور فٹ پاتھ کا کچرا بھی لگتا ہے ... لوگ کیا جانیں تو دھندے والا ہے بھی کہ نہیں وہ تو سکہ گراتے ہیں اور چل پڑتے ہیں ... بس تو مغز خراب نہ کر اور کدھر اور جا کر بیٹھ ..."

فقیر تنک کر بولا تو نظیر عجیب سی نظروں سے اُسے دیکھتا ہوا اُٹھ کر ایک سمت چل دیا۔ اُس کے پاس اپنے دوست حفیظ الرحمٰن کا پتہ تھا جو نہ معلوم اُس سے کہاں کھو گیا تھا۔ حفیظ الرحمٰن شہر میں رہتا تھا مگر نظیر کے لئے اب مسئلہ یہ تھا کہ وہ اتنے بڑے شہر میں حفیظ کو ڈھونڈے گا کیسے .....؟

وہ ریلوے پھاٹک سے لگ کر آنے والی لوکل ٹرین کو گھورنے لگا جو آہنی پٹڑیوں پر پانی کی طرح بہتی چلی جا رہی تھی۔ ٹرین کے گزرتے ہی پھاٹک کا جالی دار دروازہ کھول دیا گیا اور تمام گاڑیاں ایک دوسرے سے بچتی بچاتی ہوئی سڑک پر دوڑنے لگیں وہ بھی کنارے ہو کر باہر کی سمت چلنے لگا۔

رات ہونے سے پہلے ہی اُسے بھوک ستانے لگی۔ وہ کونے کے ایک ہوٹل میں گھس گیا اور روٹی کے بڑے بڑے

لقمے منہ میں ٹھونسنے لگا۔ ایک لمحے کو اُسے اپنی ماں کی یاد آئی جو رات کا کھانا روشنی ہی میں پکا لیا کرتی تھی۔
" شاید اس وقت سب کھانا کھا رہے ہوں ...؟" اُس نے دل میں سوچا۔
" اور شاید میرے جانے کے غم میں کسی نے بھی کھانا نہ کھایا ہو ... ایک اور خیال اُس کے اندر اُبھرا اور وہ دوبارہ سب کچھ بھول کر کھانے میں مشغول ہوگیا۔

کھانے کے بعد اُسے رات کو سونے کا مسئلہ تھا۔ وہ ہوٹلوں پر کرایہ خرچ کرنا نہیں چاہتا تھا اور دوسری کوئی جگہ اُس کی نظر میں بھی نہیں تھی جہاں وہ اپنی نیند پوری کر سکے۔ وہ دوبارہ ایک سمت چلنے لگا۔
" اے لڑکا کدھر جاتا ہے ...؟ اچانک ایک آدمی نے اُسے روک لیا۔
" اُدھر جا رہا ہوں ...؟" اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔
" ادھر کدھر ...؟ اُس نے اب کے لہجے میں تناؤ پیدا کر لیا تھا۔
" اُس طرف ... یہ نیظر نے پھر حیران ہو کر کہا جگہ کے ناموں سے وہ ناواقف تھا۔
" تم جانتا نہیں ہے یہ کھلاڑی بابو کا اڈہ ہے ادھر تم سے کسی نے کوئی پیسہ وغیرہ تو نہیں لیا ...؟" اُسی شخص نے دوبارہ پوچھا۔
" نہیں ..." نیظر نے مختصر سا جواب دیا
" نکالو ادھر پانچ روپیہ ...." وہ کرخت لہجے میں بولا۔
" مگر .... ؟ نیظر اُس سے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ وہی شخص غرّا کر بولا۔
" مگر سے ہمارا متھا پھر جاتا ہے سمجھا۔ چپ چاپ کتھی قائداعظم نکالو اور رستہ ناپو ....."
نیظر نے میلی جیب سے پانچ کا نوٹ نکالا اور کہنے لگا۔
" اس کی رسید بنا دو ...."

" ہاہاہا ..." اُس شخص نے تیز قہقہہ لگایا۔
" کیوں کیا تم نے مسجد کو چندہ دیا ہے جو تم کو پرچا پھاڑ کر دیوے ...." وہ نوٹ کو جیب میں ڈالتا ایک طرف لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چل پڑا اور نیظر اُس کو کھڑا دیکھتا رہ گیا۔
" بڑا عجیب ہے یہ شہر ...." وہ غصّے سے بڑبڑایا اور دوبارہ اسی طرف چلنے لگا۔ رات آہستہ آہستہ جاگتی جا رہی تھی۔ ہر طرف روشنیاں ہی روشنیاں چھا گئیں، ہری، نیلی، پیلی، سرخ، سفید، گھومنے والے اشتہار، جلتی بجھتی بتیاں" وہ ایک ٹک ساری چیزیں دیکھنے لگا مگر جلد ہی وہ اُکتا گیا۔ گاڑیوں کے دھوئیں سے اُس کا سر چکرا رہا تھا۔ حالانکہ

اُس کے گاؤں میں لکڑیوں کا دھُواں اور اُپلوں کے مرغولے بھی آنکھوں میں آگ سی لگا دیا کرتے تھے لیکن یہاں تو جیسے بہت سارے اُپلے اور لکڑیاں ایک ساتھ جل رہی ہوں وہ آنکھوں کو مسلتا ہوا آگے چلنے لگا۔

پورے دن کی تھکن کی وجہ سے اب اُسے نیند سی آنے لگی تھی۔ وہ چاہتا تھا بس کہیں بھی جگہ ملے اور وہ سو جائے مگر گھروں کی طرح، لگتا تھا فٹ پاتھ بھی لوگوں نے خرید رکھے ہیں وہ ایک جگہ لیٹ کر سو گیا تھا کسی نے اُسے ٹھڈا مار کر بھگا دیا کہ یہ میری جگہ ہے۔ اُس کی نیند دوبارہ خراب ہو چکی تھی۔

شاید اِس وقت ایک بج رہا تھا وہ چلتے چلتے ایک بڑے سے مزار کے پاس پہنچ کر لیٹ گیا مگر پھر اُسے نیند ہی نہ آئی وہ مزار کی آدھی دیوار پر چڑھ کر بیٹھ گیا اچانک وہ بُری طرح چونکا اور مزار سے نیچے اتر کر مزار کو دیکھنے لگا۔

اُس نے کتابوں میں دیکھا تھا۔

" ہاں ... ہاں یہی قائداعظم کا مزار ہے ...." اُس نے اپنے آپ سے تصدیق کی اور پھر سے سنگ مرمر کی دودھیا دیواروں کو دیکھنے لگا۔ جو رات کو، کسی نیک دل پری کے نرم سفید پروں کی طرح پیلی ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔

وہ وہیں کھڑے ہو کر قومی ترانہ پڑھنے لگا۔

پاک سَرزمین شاد باد

کشورِ حسین شاد باد

اُسی وقت کسی نے اُس کی گُدّی دبوچ لی اور ایک دھَپ اُس کی کمر پر دی۔

"کیوں بے سونے دے گا یا نہیں ...؟"

نظیر لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف گر پڑا۔

" چل دفع ہو جا ... اِدھر سے ..." اُس نے دوبارہ ایک لات نظیر کی کمر پر ماری اور نظیر درد سے بلبلاتا ہوا قائداعظم کے مزار کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

اُس شخص نے نظیر کی زبان سے ترانہ ضرور چھینا تھا مگر دل کی زبان تک وہ نہ پہنچ سکا تھا۔ نظیر ترانہ دل میں پڑھتا ہوا آگے چلنے لگا۔ ترانہ ختم ہوا تو وہ کونے پر آ چکا تھا اُس نے دیکھا وہ اُس شخص سے خاصی دور آ چکا تھا۔

"قائدجی" ... یہ تیرا پڑوسی کیسا ہے ترانہ بھی نہیں پڑھنے دیتا ...؟ شاید یہ کہیں اور سے آیا ہے اسے پتہ نہیں کہ یہ پاکستان ہے، جسے تو نے بنایا ہے، اور یہ ترانہ بھی اسی وطن کا ہے ... مگر قائدجی ... تیرے چاروں طرف کتنے لوگ بے آسرا بے سہارا پڑے ہوئے ہیں، ارے نہیں شاید میں غلط سمجھ رہا ہوں یہ تو تیرے مداح ہوں گے صرف تیرے لئے یہاں آتے ہوں گے اور کیا ... ورنہ تو پاکستان سب کے لئے یکساں بنایا تھا تو نے ... ہیں نا ..."

وہ آپ ہی آپ بڑابڑاتا ہوا چل رہا تھا اور دوبارہ مزار کی دیوار سے ٹیک لگاکر لیٹ گیا وہ سوتے جاگتے ترانہ پڑھتا رہا۔
"پاک سرزمین شاد باد ...
کشورِ حسین شاد باد ..."
صبح جب وہ اُٹھا تو سورج اُس کے اوپر آچکا تھا تمام فٹ پاتھ خالی ہو چکے تھے۔ اُس روز بھی وہ تمام وقت اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ شہر میں اُسے کچھ بھی تو اچھا نہ لگا تھا سوائے قائدِ اعظم کے مزار کے ...!
پیسے اس کی جیب سے ختم ہوتے جا رہے تھے۔ اور شہر کی تنگی اُس کو جکڑنے لگی تھی۔ وہ اُس روز ٹہلتا ہوا ایک گھر کے سامنے بیٹھ گیا ابھی اُس کو بیٹھے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ پانی کے بھرپور چھینٹے نے اُس کو اُٹھنے پر مجبور کر دیا۔ شاید کوئی مالی پانی دے رہا تھا۔
وہ اُٹھ کر چلنے لگا کہ اُسے پیاس کی طلب ہوئی وہ واپس مڑا تاکہ مالی سے پائپ لے کر پانی پی سکے۔ سیر ہو کر پانی پینے کے بعد جب واپس چلنے لگا تو اچانک مالی نے نظیر کو پکڑ لیا اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
"ارے حفیظ الرحمٰن تم ..."
وہ حفیظ سے لپٹ گیا۔
ہاں ہاں ... مگر تو کہاں اِدھر شہر میں آگیا ..." حفیظ نے اس کو اپنے آپ سے الگ کرتے ہوئے کہا۔
"بس یار شہر دیکھنے آیا تھا ....؟" اُس نے بات بنائی۔
"اور تو اِدھر مالی بن گیا؟ ہیں ..." نظیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
"ہاں اپنا تو یہی ذریعۂ معاش ہے ..." حفیظ آہستہ سے بولا۔
"اگر اس مٹی میں روزی تلاش کرنی تھی تو پھر گاؤں کیا بُرا تھا ...؟"
تو صحیح کہتا ہے نذیر ... اپنا گاؤں ہی اچھا تھا .. اچھے لوگ اچھی باتیں، خالص غذائیں ... پر یہاں تو کچھ بھی اصلی نہیں ..." حفیظ تھکے تھکے لہجے میں بول رہا تھا۔
"تجھے دیکھ کر میں نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے ..." نظیر کی بات پر حفیظ الرحمٰن ایک دم چونکا۔" کیا مطلب ....؟"
"میں شہر میں نوکری کرنے اور کچھ بننے کے لئے آیا تھا مگر تیری حالت میرے لئے ایک حسین انجام بن گئی ہے میں آج ہی واپس گاؤں جا رہا ہوں ..." نظیر نے کہا۔
"ہاں نظیر گاؤں بہت اچھا ہے ... تو نے اچھا فیصلہ کیا ہے مگر گھر جا کر میری ماں کو بھی بول دینا کہ تیرا حفیظ

بھی جلد ہی گاؤں آنے والا ہے ...." "کیا سچ ..."

"ہاں نظر میرا ابھی جی یہاں نہیں لگتا ..." حفیظ نے دھیرے دھیرے کہا اور وہ تھوڑی دیر تک باتیں کرتے ہوئے واپس الگ ہو گئے۔

اُس رات نظر پھر مزار کے ساتھ لگی دیوار سے ٹیک لگائے سوتا اور جاگتا رہا۔ قائد اعظم سے باتیں کرتا رہا۔ اور جب اُس کے گاؤں میں پہلی گاڑی داخل ہوئی تو نظر اُس میں سے اتر رہا تھا۔ بالکل وہی وقت تھا جب اُس نے گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔

صبح کی سفیدی ابھی سرمئی آسمان میں دبی تھی وہ مسجد کی طرف قدم بڑھانے لگا۔

ارے نظر تو... آگیا..." مولوی نواز شریف اُس سے لپٹ گیا۔

"ہاں مولوی صاحب .... اپنی غلطی کی تلافی کرنے آگیا ہوں زیادہ دیر تو نہیں ہوئی نا...."

"نہیں پتر... نہیں .. اچھا کیا جو آگیا۔ پتہ ہے تیری ماں روزآنہ میرے پاس سے تیری واپسی کے لئے تعویز لینے آتی ہے ..." مولوی نواز شریف یہ کہتے ہوئے اٹھے اور میز کی طرف بڑھنے لگے۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ مولوی صاحب ....؟ اس نے پیچھے آتے ہوئے پوچھا۔

"پتر اذان کا وقت ہو رہا ہے اذان دے دوں پھر تجھ سے باتیں کروں گا ..."

"مولوی صاحب آج اذان میں دوں گا... آج گاؤں سے پہلی آواز میری بلند ہوگی ..."

وہ منبر پر کھڑے ہو کر اذان دینے لگا۔

"آؤ نماز کی طرف ... آؤ کامیابی کی طرف" "نماز بہتر ہے نیند سے نماز بہتر ہے نیند سے"

پھر جب نماز ختم ہوگئی اور لوگوں کی ٹولیاں مسجد سے نکل کر مختلف گروہوں میں بٹنے لگیں تو نظر کی ٹولی سب سے بڑی تھی۔ نوجوان اُس کو چھیڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"نظر تو کہتا تھا ان پتھروں سے کچھ نہیں پھوٹے گا پھر دوبارہ گاؤں کیوں آگیا ... "

"نہیں دوستو! میں غلط کہتا تھا... کوئی زمین بنجر نہیں ہوتی۔ انسان بنجر اور زرخیز ہوتا ہے مٹی میں گداز تو پسینے کے قطروں سے آتا ہے۔ میں بنجر تھا مگر اب زرخیز ہو کر آگیا ہوں۔ اب ان ہی پتھروں سے ہری ہری فصلیں بلند ہوں گی اور پورا گاؤں سبزے سے ڈھک جائیگا ..." وہ بولتا جا رہا تھا اور سب محو تھے۔ پھر اُس دن وقت پر اسکول گیا اور واپس آتے ہی کھیتوں پر نکل گیا... آج اُسے پتہ چل گیا تھا کہ قدیر بھائی کو ان پتھر جیسی زمینوں میں ہل چلاتے ہوئے کیا مزا آتا ہے ....!!

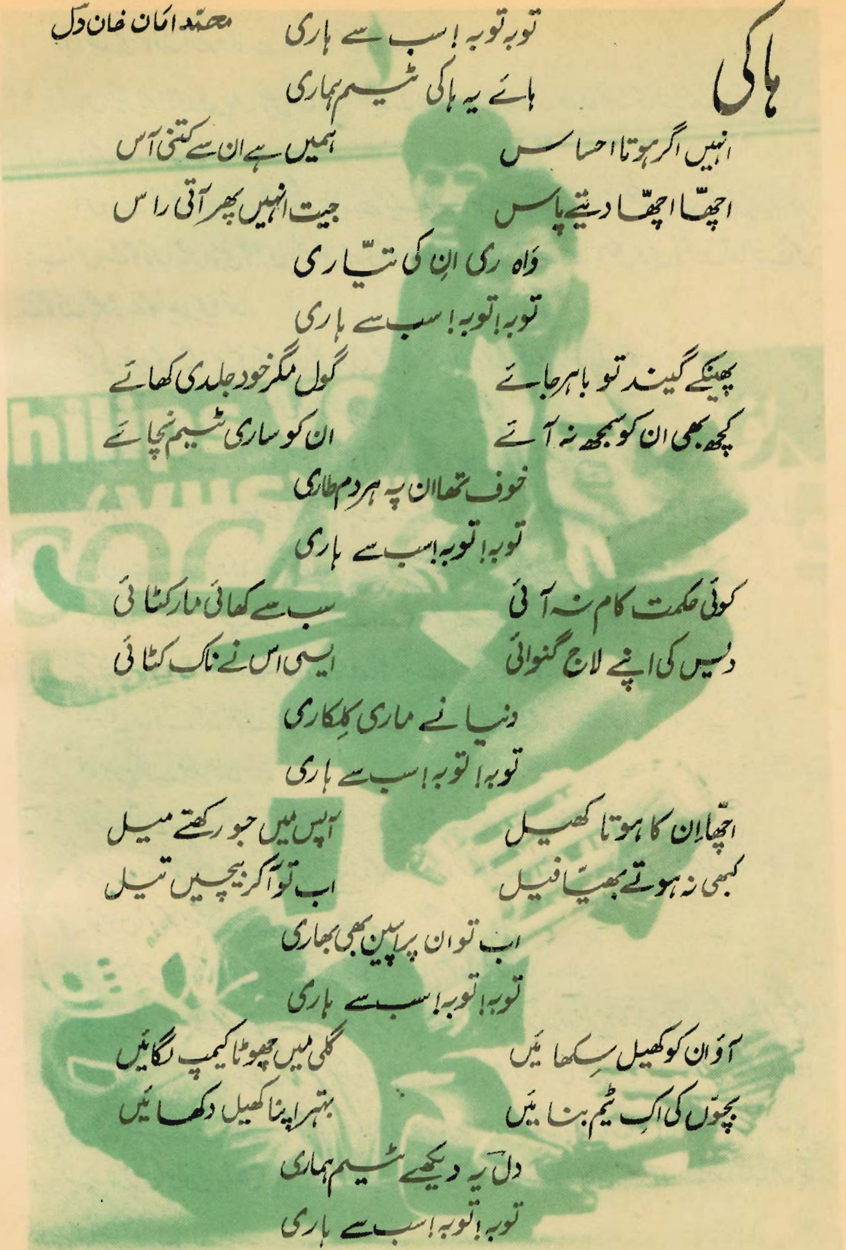

ہاکی

محمد امان خان دل

توبہ توبہ! سب سے ہاری
ہائے یہ ہاکی ٹیم ہماری

انہیں اگر ہوتا احساس — ہمیں ہے ان سے کتنی آس
اچھا اچھا دیتے پاس — جیت انہیں پھر آتی راس
واہ ری ان کی تیاری
توبہ! توبہ! سب سے ہاری

پھینکے گیند تو باہر جائے — گول مگر خود جلدی کھائے
کچھ بھی ان کو سمجھ نہ آئے — ان کو ساری ٹیم نچائے
خوف تھا ان پہ ہر دم طاری
توبہ! توبہ! سب سے ہاری

کوئی حکمت کام نہ آئی — سب سے کھائی مار کٹائی
دیس کی اپنے لاج گنوائی — ایسی اس نے ناک کٹائی
دنیا نے ماری کلکاری
توبہ! توبہ! سب سے ہاری

اچھا ان کا ہوتا کھیل — آپس میں جو رکھتے میل
کبھی نہ ہوتے بھیا فیل — اب تو آکر بیچیں تیل
اب تو ان پر اپنی بھی بھاری
توبہ! توبہ! سب سے ہاری

آؤ ان کو کھیل سکھائیں — گلی میں چھوٹا کیمپ لگائیں
بچوں کی اک ٹیم بنائیں — بہتر اپنا کھیل دکھائیں
دل یہ دیکھے ٹیم ہماری
توبہ! توبہ! سب سے ہاری

محمد اعظم منہاس

آتے جاتے

آپ روزانہ گھر سے باہر نکلتے ہیں کبھی گھر کا سودا سلف لانا ہوتا ہے یا دوپہر کو یا صبح اسکول بھی جاتے ہیں۔ اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے بھی جانا پڑتا ہے یا گھر والوں کے ساتھ کسی تقریب میں شرکت کے لئے جانا ہوتا ہے لازمی بات ہے کہ آپ کو اپنی منزل یا مقام تک پہنچنے کے لئے کسی راستے سے گذرنا ہوگا یہاں ہم ان باتوں کی نشاندہی کر رہے ہیں جن کا راستے کا سفر طے کرتے ہوئے خیال رکھنا چاہیئے، اس کا حاصل یہ ہوگا کہ آپ مُہذّب اور باوقار کہلائیں گے۔ اور راہ چلتے ہوئے آپ کسی کے لئے ناگواری اور تکلیف کا سبب بھی نہ بن سکیں گے۔

• پہلی بات تو یہ ہے آپ راہ چلتے ہوئی اپنی چال کو نہایت متوازن رکھیں اتنا تیز اور جھپٹ کر نہیں چلنا چاہیئے کہ لوگوں کی نظر میں تماشہ بن جائیں اور نہ ہی اتنا آہستہ اور سُست انداز سے چلیں کہ لوگ بیمار سمجھ کر آپ کی مزاج پُرسی کرنے لگیں۔

• ادب اور وقار کے ساتھ نگاہیں نیچی رکھتے ہوئے چلنا چاہیئے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر وقت نگاہیں نیچی رکھتے ہوئے ہی چلا جائے بلکہ گردوپیش پر بھی نظر رکھنی چاہیئے۔ تاکہ کہیں سامنے سے آتے ہوئے کسی صاحب سے ٹکرانے کی نوبت نہ آجائے بلکہ خاکساری کے ساتھ دبے پاؤں چلنا چاہیئے، اکڑ کر اور اِتراتے ہوئے چلنا خدا تعالیٰ کو پسند نہیں، اس لئے کہ اکڑنے سے نہ آپ زمین کو اپنی ٹھوکر سے پھاڑ سکتے ہیں اور نہ پہاڑوں کی اونچائی کو پہنچتے ہیں۔

• ہمیشہ جوتے پہن کر سفر کریں، ننگے پاؤں چلنے سے ظاہر ہے کہ آپ کو کسی وقت بھی نقصان پہنچ سکتا ہے، راہ میں پڑا ہوا کانچ، کوئی کنکر یا کانٹا آپ کے لئے باعثِ تکلیف ہو سکتا ہے۔ اسی طرح راہ چلتے ہوئے تہذیب و وقار کا بھی خیال رہنا چاہیئے، ایک پاؤں ننگا اور دوسرے پاؤں میں جوتا پہن کر چلنا عجیب مضحکہ خیز حرکت ہے، اگر واقعی کوئی مجبوری یا اہم ضرورت

نہ ہو تو ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیئے !

● اگر آپ اپنے بے تکلف دوستوں کے ساتھ کہیں آجا رہے ہوں تو اُن کے ساتھ ساتھ ہی چلئے آگے نکل کر چلنے اور اپنی امتیازی شان ظاہر کرنے سے بچنا چاہیئے بے تکلّفی میں اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر چلنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ یہ آپ کی خوشگوار دوستی کی علامت ہوگی۔

● راہ چلتے ہوئے راستے کا حق ادا کرنے کا اہتمام بھی آپ پر لازم ہے کبھی کسی وجہ سے آپ کو راستے میں بیٹھنا یا رکنا پڑ جائے تو آنے جانے والوں کو تکنے سے پرہیز کیجئے۔ راہ میں اگر کوئی تکلیف دینے والی چیز مثلاً کوئی کانٹا پتھر نظر آجائے تو اسے ہٹا دیجئے۔ کوئی آپ سے کسی مکان یا جگہ کے بارے میں معلوم کرے تو اُسے ضرور بتائیے، نہ معلوم ہو تو معذرت کر لیجئے کبھی بھی غلط رہنمائی نہ کیجئے، بلکہ اگر ممکن ہو تو اسے مطلوبہ جگہ پر پہنچا دیجئے۔ اچھے لوگوں کا ساتھ دیجئے اور برُے لوگوں کے ساتھ چلنے سے پرہیز کیجئے۔ راہ چلتے اگر کوئی مصیبت کا مارا نظر آجائے تو حتیٰ الامکان اس کی مدد کرنے کی کوشش کیجئے۔

● اپنے دوستوں کے ساتھ چل رہے ہوں تو بہت زور سے قہقہہ لگانے اور باتیں کرنے سے پرہیز کیجئے۔

● راہ چلتے ہوئے کسی کی طرف اُنگلی اُٹھا کر اشارہ نہ کیجئے، یہ اچھی بات نہیں۔

نیا سلسلے وار ناول

چار بچے کڑی مہم پر

دو بچیوں اور دو بچوں کے عزم وہمّت کی دلچسپ داستان

سیّد عبدالعزیز عزمی کا خوبصورت سلسلۂ تحریر

ماہنامہ آنکھ مچولی اپنے قارئین ساتھیوں کے لئے ماہ ستمبر ۸۸ء سے پیش کر رہا ہے۔

نیا سلسلہ وار ناول .... پناہ ____ انتظار فرمائیے۔

شادی کے موقعہ پر دولہا اپنی بارات لےکر سسرال پہنچا تو سامنے ہی اس کے فلسفی سسر بیٹھے تھے، دولہا نے جاکر سلام کیا۔ چونک کر بولے: وعلیکم السلام... وعلیکم السلام، کہو بیٹا کیسے آنا ہوا"

(مرسلہ۔ ھائمہ ارم، ———— راولپنڈی)

استاد: (شاگرد سے) کل تم نے کتے پر جو مضمون لکھا تھا، وہ تم نے ارشد کے مضمون سے کیوں نقل کیا۔

شاگرد: سر۔ ہم دونوں کا کتا ایک ہی ہے۔

(مرسلہ: ادیس زینب، ———— فیصل آباد)

ایک مکھی اور مکھا سینما گھر سے فلم دیکھ کر نکلے۔ مکھی اپنے شوہر سے بولی۔ سرتاج۔ گھر تک پیدل چلیں یا کتا کرلیں۔

(مرسلہ: فائزہ شیریں، ———— اسلام آباد)

ایک گھڑسوار گھوڑے سے گر پڑا، اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، وفادار گھوڑے نے اسے منہ سے پکڑا اور ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

"تمہارا گھوڑا بہت عقلمند ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"نہیں اتنا زیادہ عقلمند بھی نہیں۔ پہلے یہ مجھے جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا" گھڑسوار نے اطمینان سے جواب دیا۔

(مرسلہ: نصیر الدین، ———— بالانیو)

راہ گیر (بچے سے) تم نے اپنی انگلی پر یہ دھاگہ کیوں باندھا ہوا ہے؟

بچہ: یہ دھاگہ امی نے باندھا ہے تاکہ میں خط ڈالنا نہ بھول جاؤں۔

راہ گیر: تو کیا تم نے خط ڈال دیا ہے۔؟

بچہ: نہیں امی مجھے خط دینا بھول گئی ہیں۔!

مرسلہ: شفیقہ۔ ———— اسلام آباد

اُستاد :۔ جمیل اگر تمہارے پاس چودہ چاکلیٹ ہوں اُس میں سے تم آدھے اپنی بہن کو دیدو تو تمہارے پاس کتنے چاکلیٹ بچیں گے ،؟

جمیل . دس چاکلیٹ !

استاد :۔ تم کو شاید گنتی نہیں آتی ۔

جمیل :۔ مجھے تو گنتی آتی ہے میری بہن کو نہیں آتی اس لئے میں اس کو صرف چار چاکلیٹ دوں گا ۔

مُرسلہ :۔ توکّل حسین . ——— پشاور

ایک بستی میں پانی کی بڑی کمی تھی جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ بہت پریشان تھے . پانی بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا . ایک نیک دل امیر نے کچھ آدمی بلوائے اور انہیں کنواں کھودنے کے کام پر لگا دیا . جب کنواں کھد رہا تھا تو ایک چھوٹا سا لڑکا بھی دیکھتا رہتا تھا . وہ ایک دن امیر آدمی سے پوچھنے لگا . یہ کنواں کس لئے کھدرہا ہے ؟ اُس نے جواب دیا یہ آپ لوگوں کے لئے کھدوا رہا ہوں یہ سُن کر لڑکا بولا ٹھیک ہے کل ماسٹر صاحب نے ہمیں یہ بتایا تھا کہ جو کسی کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس گرتا ہے ۔

مُرسلہ : عامر خان سعید ، ——— ناظم آباد کراچی

ایک ڈرامہ نویس نے نقّاد سے پوچھا میرے ڈرامے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ؟ نقّاد بولا . میری جانب سے تو یہ رائے ہے کہ آخر میں ہیرو کو زہر دینے کے بجائے گولی مار دیجئے ۔

مگر اس سے کیا فائدہ ہوگا ؟ ڈرامہ نویس نے پوچھا .

فائدہ کیوں نہیں کم از کم سوئے ہوئے تماشائی گولی کی آواز سُن کر جاگ جائیں گے . اور اپنے گھروں کو چلے جائیں گے .

مُرسلہ : سلیمان احمد ——— کراچی

ایک چھوٹا سا بچّہ اپنے باپ کے ساتھ چڑیا گھر کی سیر کو گیا اس نے کبھی سانپ نہیں دیکھا تھا . ایک جگہ اس نے سانپ کو دیکھا تو معصومیت سے کہنے لگا . ابّو ! ابّو ! یہ کیسی دُم ہے جو بغیر کتّے کے ہل رہی ہے ۔ ؟

مُرسلہ غزالہ شبنم ——— اَمر پورہ ، راولپنڈی

جمیلہ :۔ کل میں دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس گئی تھی .

نکیلہ :۔ کیا تمہارے دانت میں اب تک درد ہو رہا ہے ۔؟

جمیلہ :۔ پتہ نہیں اس کو تو ڈاکٹر نے نکال کر اپنے پاس رکھ لیا تھا ۔

مُرسلہ :۔ ماریا اقبال ، ——— سعود آباد کراچی

عاصم :۔ مجھے خوشی ہے کہ میں فرانس میں پیدا نہیں ہوا .

قاسم :۔ کیوں ؟

عاصم :۔ کیونکہ مجھے فرانسیسی زبان نہیں آتی ،

اسکول کا وہ کام جو دوسرے بچے کھیل کود میں وقت ضائع کرنے کے سبب مہینے بھر میں بڑی مشکل سے پورا کرتے تھے، ان چاروں نے دو دن میں ختم کرلیا تھا۔

اور اب وہ پریشان بیٹھے تھے۔

شہریار کہہ رہا تھا "یار۔ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کریں۔ کوئی کام نہیں ہے۔ کوئی مصروفیت نہیں ہے۔ اور اسکول کھلنے میں ابھی ایک مہینہ باقی ہے"۔

ضیا نے کہا "جب اسکول کھلے ہوتے ہیں تو سب کو یہی فکر ہوتی ہے کہ چھٹیاں کب ہوں گی۔ اور اب چھٹیاں ہوگئی ہیں تو بھائی شہریار فرما رہے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کریں۔"

سرفراز بولا۔ "ایک آئیڈیا ہے میرے پاس۔!"

سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

سرفراز فخر سے مسکرایا اور سر اونچا کرکے بولا۔ "آئیڈیا ہمیشہ ذہین آدمی کے پاس ہوتا ہے۔ تم تینوں کیونکہ میرے مقابلے میں کم ذہین ہو، اس لئے پریشان بیٹھے ہو لیکن میں نے اپنی ذہانت کی مدد سے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملنے والی ذہنی صلاحیتوں کی مدد سے ایک آئیڈیا ڈھونڈ نکالا ہے۔ ایسا آئیڈیا کہ جو سُنے گا، پھڑک اُٹھے گا"۔

خدا کے لئے، سرفراز۔" شہزاد نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "ایک تو تم تقریر بہت لمبی کرتے ہو۔ جو آئیڈیا ہے، وہ بتاؤ۔ کام کی بات کرو۔"

ہاں۔" ضیا نے بھی کہا "صرف کام کی بات کرو۔ اور ہمیں مچھلی نہ سمجھو جو پانی سے باہر آتے ہی پھڑکنے لگتی ہے"۔

سرفراز نے غصّے سے ان تینوں کی باتیں سن کر کہا۔ "آئیڈیا یہ ہے کہ ہم ایک کنواں کھودنا شروع کریں۔"

"کنواں۔!" تینوں نے حیرت سے ایک ساتھ کہا۔

"ہاں۔" سرفراز مسکرایا۔ "کنواں۔ ہمیں بیلچے اور پھاوڑے اور کدالیں درکار ہوں گی۔ کل صبح سے ہی ہم لوگ سامنے والے میدان میں کنواں کھودنا شروع کردیتے ہیں۔ ہمیں صبح سے شام تک محنت کرنی ہوگی۔ کنواں کھودنا آسان کام نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ کم از کم تین ہفتے لگیں گے۔ تقریباً بیس فٹ زمین کھودنی ہوگی جس کے بعد زمین کے نیچے سے پانی نکل آئے گا۔ اس طرح ہم کنواں کھودنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

تینوں حیرانی سے سرفراز کو دیکھتے رہے۔

بالآخر شہزاد نے کہا۔ "لیکن...... لیکن اس کا فائدہ کیا ہوگا۔؟"

سرفراز نے کہا۔ "اس کے بعد ہم کنوئیں کو واپس بند کردیں گے۔ ہمیں ساری مٹی واپس ڈالنی ہوگی۔

حق اسکواڈ

اخلاق احمد

ڈیم کی سیر

ابھی بہت چھٹیاں باقی تھیں۔

اختر اور ان کے ماموں والا کیس ختم ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ فراغت کے ان دنوں میں شہر یار، سرفراز ضیاء اور شہزاد ـــــ چاروں کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں وہ ہر کھیل سے اُکتا چکے تھے۔ کرکٹ، ہاکی، کیرم بورڈ

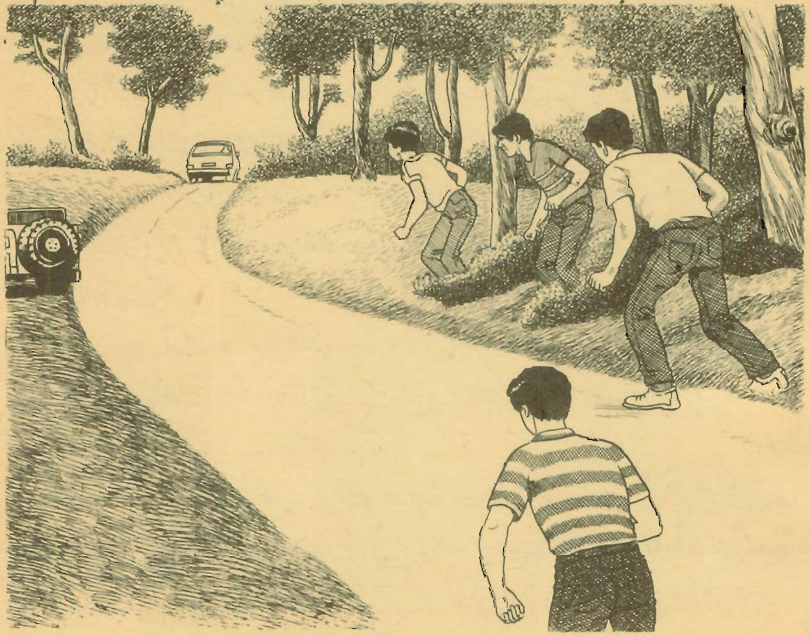

لوڈو، ٹیبل ٹینس۔ آخر کوئی آدمی کتنے دن تک اپنے آپ کو کھیل میں مصروف رکھ سکتا ہے۔

گرمی کی اِن چھٹیوں میں انہیں اسکول سے جو کام ملا تھا وہ انہوں نے دو دن میں ختم کر لیا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ کام کم تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ چاروں جب پڑھائی میں یا اسکول کے کام میں مصروف ہوتے تھے تو پوری محنت اور لگن سے کام کرتے تھے۔ محنت اور لگن ہو تو بڑے سے بڑا کام چٹکی بجاتے میں ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا

بے خبر سوتا ہی رہا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ ایک کوٹ اس کے جسم پر پڑا ہوا ہے۔ قریب ہی ایک لڑکا ستلیوں اور لکڑی کے ٹکروں کی مدد سے اس کی بیساکھی کی مرمّت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس شخص نے لڑکے سے پوچھا "بیٹا تم نے مجھے بارش سے بچانے کے لیے اپنا کوٹ میرے اوپر کیوں ڈالا؟" لڑکے نے جواب دیا "مجھے تو بارش کی فکر نہیں تھی مگر میں نے سوچا کہ آپ تھکے ہوئے سو رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بارش سے آپ بھیگ جائیں اور آپ کی نیند ٹوٹ جائے۔" کچھ توقف کے بعد لڑکا دوبارہ بولا

"لیجئے میں نے آپ کی بیساکھی ٹھیک کر دی ہے۔ اگر آپ میرا سہارا لے کر سامنے میدان میں میرے چچا کے فارم تک چلے چلیں تو مجھے امید ہے کہ وہاں سے آپ کو نئی بیساکھی مل جائے گی۔ میری خواہش ہے کہ میں اور بڑا ہوتا تو آپ کو اپنی پیٹھ پر لاد کر وہاں تک لے جاتا۔"

اس شخص نے آنسو بھری نگاہوں سے لڑکے کو دیکھا اور بولا "آج سے پانچ سال پہلے جب میں جنگ پر گیا تو اس وقت میرا بھی ایک چھوٹا سا بیٹا تھا۔ اگر آج وہ ہوتا تو بالکل تمھاری طرح کا ہوتا۔ میں اُسے اپنے سامنے پاکر بہت خوش ہوتا۔

لڑکے نے پوچھا "کیا آپ اپنے لڑکے کا نام بتائیں گے تاکہ میں اُسے ڈھونڈنے میں آپ کی مدد کر سکوں؟" "اس کا نام حامد تھا اور میرا نام حمّاد ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ لڑکے نے جیسے ہی یہ نام سُنے تیزی سے قریب آیا اور اپنے بازو اس شخص کے گلے میں ڈال کر لپٹ گیا۔ "ابّا جان، میرے پیارے ابّا جان میں ہی حامد ہوں آپ کا اپنا بیٹا۔" وہ اپنے بیٹے کو اس طرح اپنے سامنے پاکر اس قدر خوش ہوا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اُسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اس کا بیٹا ضرورتمندوں کے کام آتا ہے۔ بیٹے نے باپ کو سہارا دے کر اٹھایا اور گھر کی طرف لے چلا۔

گو کہ اب اس شخص کے پاس نئی بیساکھی تھی مگر اس نے اس پُرانی اور مرمت شدہ بیساکھی کو کبھی بھی اپنے آپ سے الگ نہ کیا۔ کیونکہ یہ بیساکھی اِس کو اس کے بیٹے سے ملانے کا سبب بنی تھی۔ اور اس کے علاوہ وہ بیساکھی اس کے بیٹے حامد کی نرم دلی اور محبّت کا ثبوت بھی تو تھی۔

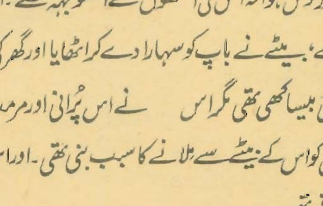

بنیادی خیال ماخوذ
سیّد خورشید عالم

ٹوٹی ہوئی بیساکھی

جون کی تپتی ہوئی گرمی میں ایک لنگڑا شخص اپنی بیساکھی کے سہارے سڑک کے کنارے چلا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اچانک اس کی بیساکھی ٹوٹ گئی۔ وہ شخص ایک طرف بیٹھ گیا اور کسی گاڑی کا انتظار کرنے لگا تاکہ اس میں بیٹھ کر اپنی منزل

تک پہنچ سکے۔ کافی دیر کے بعد ایک بگھی وہاں سے گزری۔ اس نے ہاتھ ہلا کر اُسے رُکنے کا اشارہ کیا' مگر وہ نہ رکی اور آگے بڑھتی گئی۔ تھکن سے اس کو نیند آگئی اور وہ وہیں زمین پر سو گیا۔ اسی اثنا میں ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی مگر وہ اس سے

قالین کی صفائی میں سب سے اعلیٰ

ٹپ ٹاپ

ڈرائی کلینرز

فون :۔ ۴۱۴۴۶۴

۴۳۷۱۴۳

علامہ اقبال روڈ

پی ای سی ایچ ایس

حسن اپارٹمنٹس
۴۴۰،۴۴

ناظم آباد
۶۲۳۸۱۶

کلفٹن
۵۳۰۳۶۹

ڈیفنس سوسائٹی
۵۴۲۱۶۳

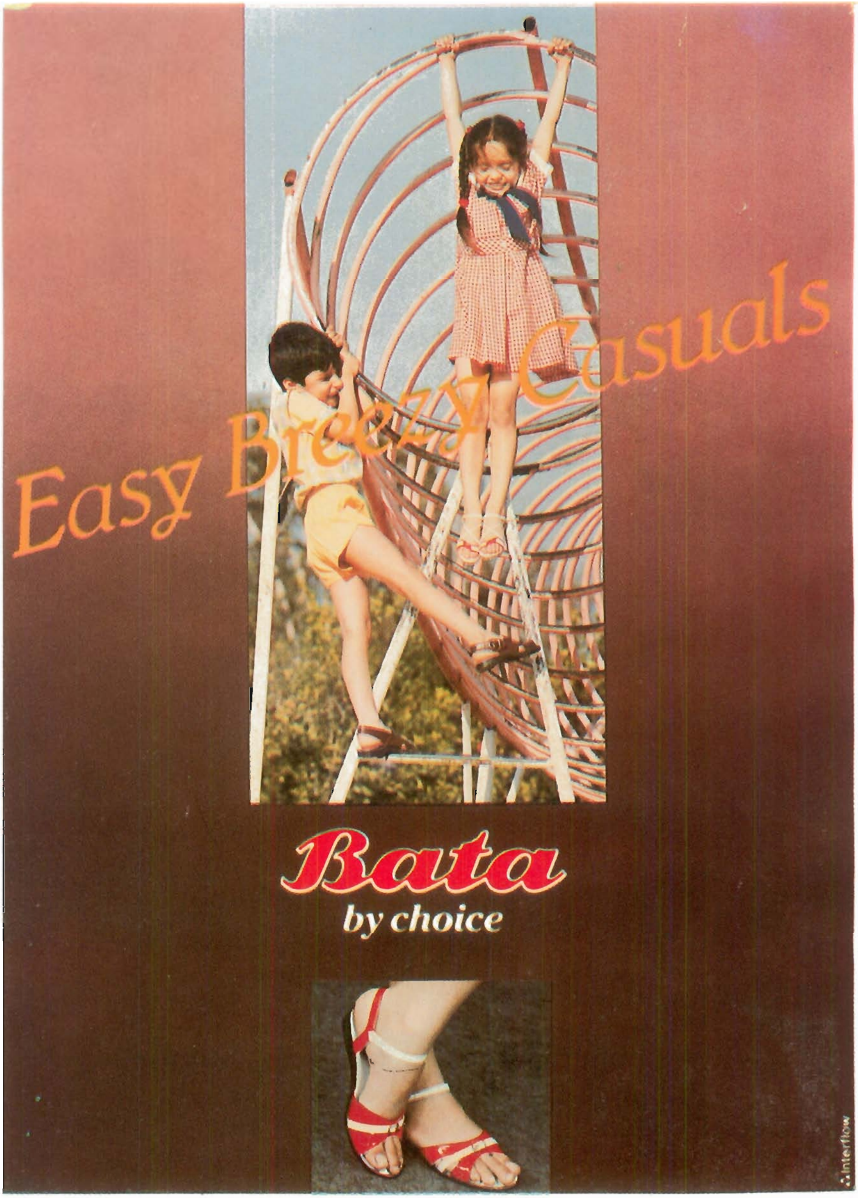
Easy Breezy Casuals
Bata
by choice
Interflow

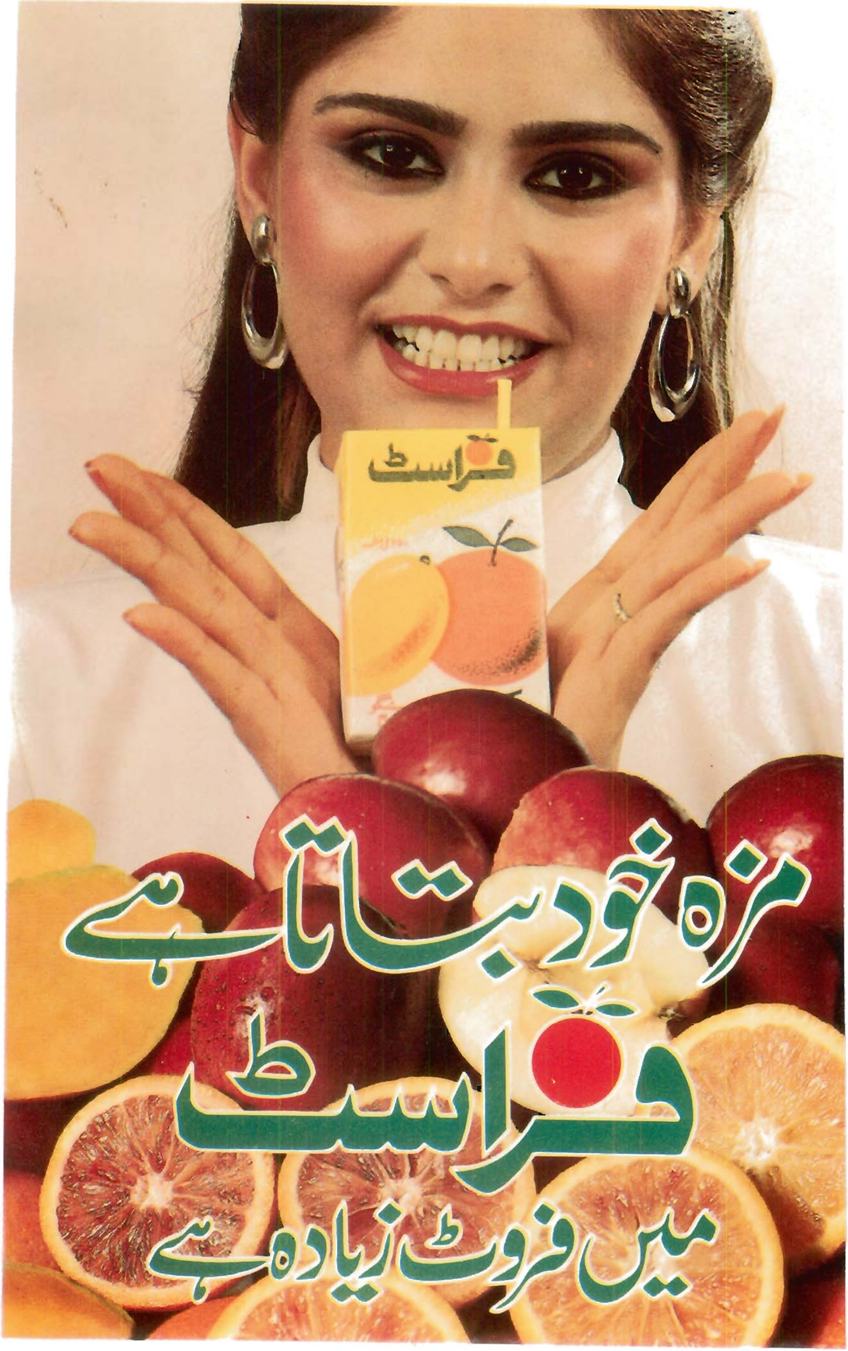
فراسٹ
مزہ خود بتاتا ہے
فراسٹ
میں فروٹ زیادہ ہے

مرسلہ: شعوانہ ——— واہ کینٹ

استاد: راشد تم نے اپنے کتے پر جو مضمون لکھا ہے وہ بالکل تمہارے بھائی کے مضمون کی نقل ہے۔

راشد: سر ہم دونوں کے پاس ایک ہی کتا ہے۔

استاد (شاگرد سے) بارش کا کیا فائدہ ہے؟

شاگرد: جناب اسکول نہیں جانا پڑتا۔

شاگرد: جو لوگ خدا کو پیارے ہو جاتے ہیں کیا وہ خوش نصیب ہوتے ہیں؟

استاد: ہاں

شاگرد: جناب تو پھر آپ کیوں خدا کو پیارے نہیں ہو جاتے؟

ایک مُجرم جب تین سال بعد رہا ہوا تو اس کے دوست نے پوچھا "بھئی آخر تم نے کون سی ایسی غلطی کی جس کی اتنی لمبی سزا تم کو بھگتنی پڑی۔ مجرم نے کہا کہ بس غلطی یہ ہوئی کہ جب بینک کے مینیجر نے پستول دیکھ کر پچاس ہزار روپے مجھے تھما دیئے تو میں انہیں وہیں پر گننے بیٹھ گیا۔

مُرسلہ: فیاض حسین ——— کراچی

بھکاری: بیٹا اندھے کو ایک روپیہ دیتے جاؤ

لڑکا: مگر تمہاری ایک آنکھ تو بالکل ٹھیک ہے

بھکاری: تو پھر آٹھ آنے ہی دیتے جاؤ۔

مرسلہ: مظہر شاہ بخاری ——— پنڈدادنخان

ماں: (بیٹے سے) منّا رو رہا ہے اسے چُپ کراؤ۔

بیٹا: میں بہت مصروف ہوں۔

ماں: تم کیا کر رہے ہو؟

بیٹا: منّے سے بسکٹ چھین کر کھا رہا ہوں۔

باپ: اگر تم امتحان میں پاس ہو گئے تو میں تمہیں سائیکل لے دوں گا۔

بیٹا: اور اگر میں فیل ہو گیا تو؟

باپ: پھر میں تمہیں رکشہ لے دوں گا۔

مُرسلہ: محمد عادل ——— گلبہار پشاور

ایک بچہ دوڑ دوڑا اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"امّی، امّی! میں آپ کو دو خبریں سناؤں گا، ایک اچھی اور ایک بُری" ماں نے کہا: ایسا کرو کہ پہلے اچھی خبر سُنا دو" بیٹے نے کہا امّی اچھی خبر یہ کہ میں امتحان میں پاس ہو گیا ہوں۔

ماں نے کہا! "شاباش بیٹے! اب ذرا بُری خبر بھی سنا دو" بیٹے نے کہا امّی بُری خبر یہ ہے کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔

مُرسلہ: صوبیہ، ماہرہ ——— ٹنڈو الہ یار

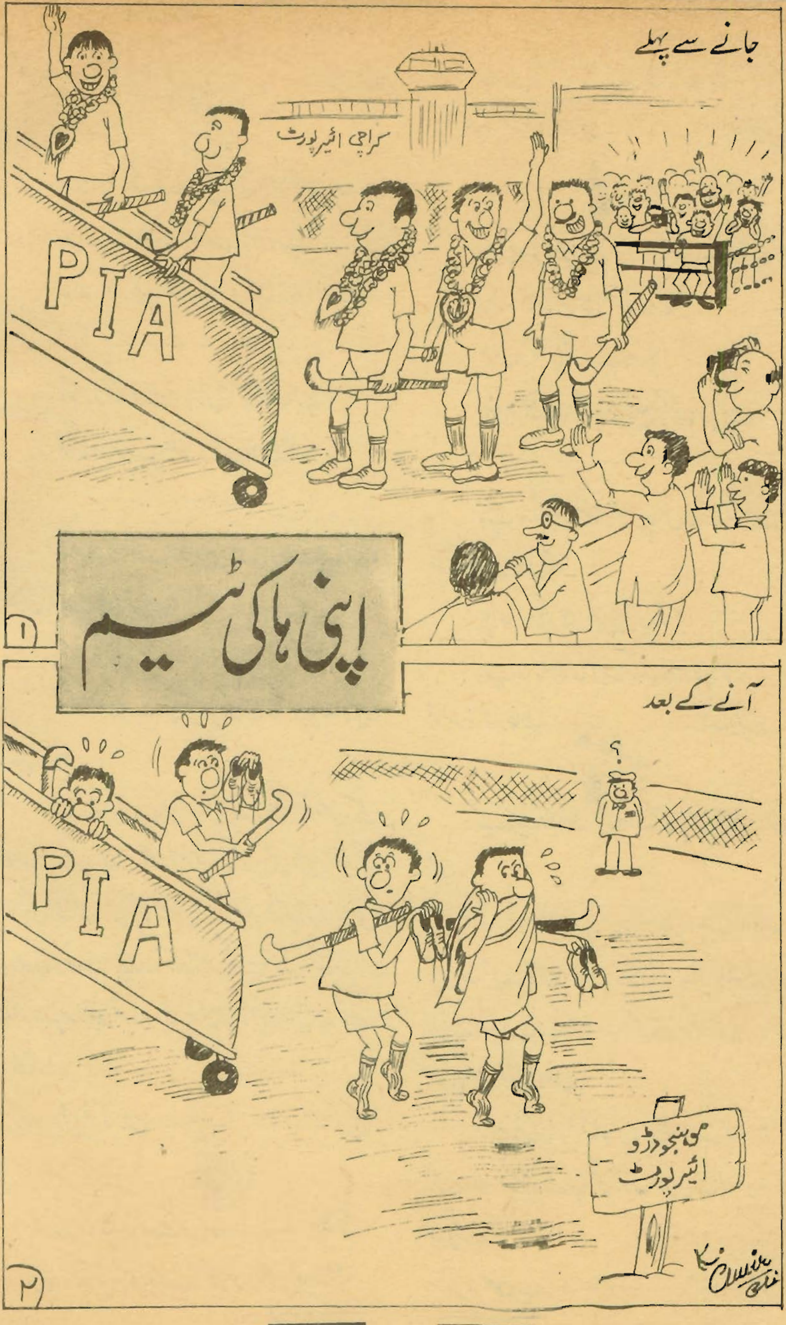
اپنی ہاکی ٹیم
جانے سے پہلے
کراچی ائیرپورٹ
PIA
۱
آنے کے بعد
PIA
موہنجوداڑو
ائیرپورٹ
۲

تین تصاویر کے ٹوٹکڑے ہم سے غلط جڑ گئے ہیں۔
کون سا ٹکڑا کہاں لگنا چاہیے...؟ ذرا ہماری رہنمائی تو کیجیے

قالین کی صفائی میں سب سے اعلیٰ
ٹپ ٹاپ
ڈرائی کلینرز
فون : ۴۱۴۴۶۴
۴۳۷۱۴۳
علامہ اقبال روڈ
پی ای سی ایچ ایس
حسن اپارٹمنٹس
۴۴۰۷۴۰
ڈیفنس سوسائٹی
۵۴۲۱۶۳
کلفٹن
۵۳۰۳۶۹
ناظم آباد
۶۱۳۸۲۶

بنیادی خیال ماخوذ
سیّد خورشید عالم

ٹوٹی ہوئی بیساکھی

جون کی تپتی ہوئی گرمی میں ایک لنگڑا شخص اپنی بیساکھی کے سہارے سڑک کے کنارے چلا جارہا تھا۔ چلتے چلتے اچانک اس کی بیساکھی ٹوٹ گئی۔ وہ شخص ایک طرف بیٹھ گیا اور کسی گاڑی کا انتظار کرنے لگا تاکہ اس میں بیٹھ کر اپنی منزل

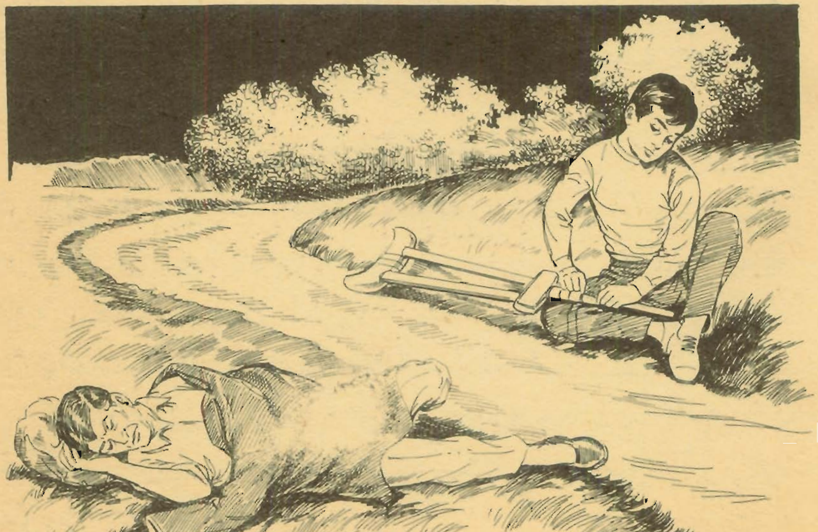

تک پہنچ سکے۔ کافی دیر کے بعد ایک بگھی وہاں سے گزری۔ اس نے ہاتھ ہلا کر اُسے رُکنے کا اشارہ کیا" مگر وہ نہ رکی اور آگے بڑھتی گئی۔ تھکن سے اس کو نیند آگئی اور وہ وہیں زمین پر سو گیا۔ اسی اثنا میں ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی مگر وہ اس سے

بے خبر سوتا ہی رہا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ ایک کوٹ اس کے جسم پر پڑا ہوا ہے۔ قریب ہی ایک لڑکا سُتلیوں اور لکڑی کے ٹکڑوں کی مدد سے اس کی بیساکھی کی مرمّت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس شخص نے لڑکے سے پوچھا "بیٹا تم نے مجھے بارش سے بچانے کے لیے اپنا کوٹ میرے اوپر کیوں ڈالا؟" لڑکے نے جواب دیا "مجھے تو بارش کی فکر نہیں تھی مگر میں نے سوچا کہ آپ تھکے ہوئے سو رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بارش سے آپ بھیگ جائیں اور آپ کی نیند ٹوٹ جائے۔" کچھ توقف کے بعد لڑکا دوبارہ بولا

"لیجیئے میں نے آپ کی بیساکھی ٹھیک کر دی ہے۔ اگر آپ میرا سہارا لے کر سامنے میدان میں میرے چچا کے فارم تک چلے چلیں تو مجھے امید ہے کہ وہاں سے آپ کو نئی بیساکھی مل جائے گی۔ میری خواہش ہے کہ میں اور بڑا ہوتا تو آپ کو اپنی پیٹھ پر لاد کر وہاں تک لے جاتا۔"

اس شخص نے آنسو بھری نگاہوں سے لڑکے کو دیکھا اور بولا "آج سے پانچ سال پہلے جب میں جنگ پر گیا تو اس وقت میرا بھی ایک چھوٹا سا بیٹا تھا۔ اگر آج وہ ہوتا تو بالکل تمھاری طرح کا ہوتا۔ میں اُسے اپنے سامنے پاکر بہت خوش ہوتا۔

لڑکے نے پوچھا "کیا آپ اپنے لڑکے کا نام بتائیں گے تاکہ میں اُسے ڈھونڈنے میں آپ کی مدد کر سکوں؟" اس کا نام حامد تھا اور میرا نام حمّاد ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ لڑکے نے جیسے ہی یہ نام سُنے تیزی سے قریب آیا اور اپنے بازو اس شخص کے گلے میں ڈال کر لپٹ گیا۔ "ابّا جان، میرے پیارے ابّا جان میں ہی حامد ہوں آپ کا اپنا بیٹا۔" وہ اپنے بیٹے کو اس طرح اپنے سامنے پاکر اس قدر خوش ہوا کہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اُسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اس کا بیٹا ضرورتمندوں کے کام آتا ہے۔ بیٹے نے باپ کو سہارا دے کر اٹھایا اور گھر کی طرف لے چلا۔

گو کہ اب اس شخص کے پاس نئی بیساکھی تھی مگر اس نے اس پُرانی اور مرمت شدہ بیساکھی کو کبھی بھی اپنے آپ سے الگ نہ کیا کیونکہ یہ بیساکھی اس کو اس کے بیٹے سے ملانے کا سبب بنی تھی۔ اور اس کے علاوہ وہ بیساکھی اس کے بیٹے حامد کی نرم دلی اور محبّت کا ثبوت بھی تو تھی۔

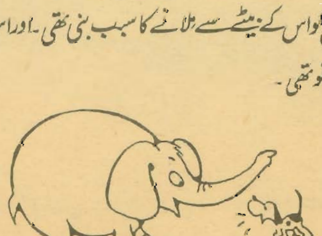

حق اسکواڈ

اخلاق احمد

ڈیم کی سیر

ابھی بہت چھٹیاں باقی تھیں۔

اختر اور ان کے ماموں والا کیس ختم ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ فراغت کے ان دنوں میں شہریار، سرفراز ضیاء اور شہزاد ـــــ چاروں کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں وہ ہر کھیل سے اُکتا چکے تھے۔ کرکٹ، ہاکی، کیرم بورڈ

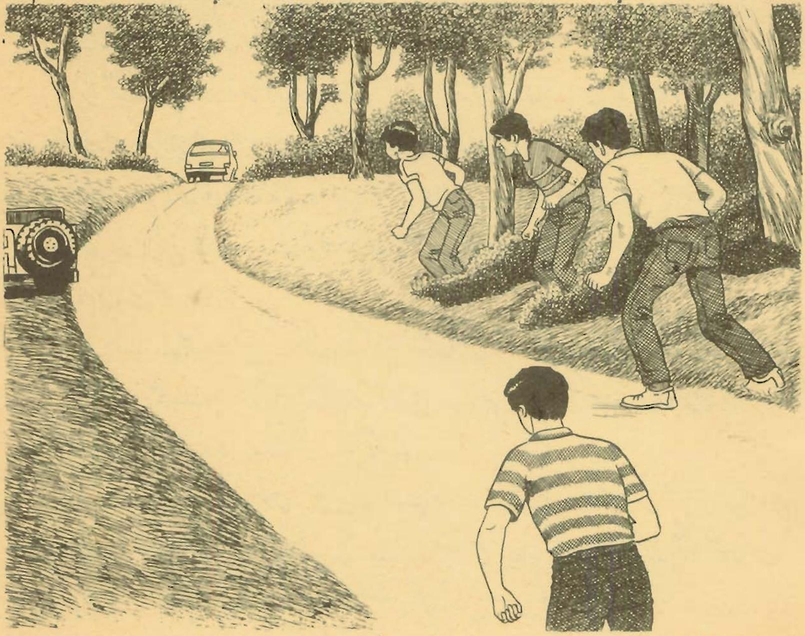

لوڈو، ٹیبل ٹینس، آخر کوئی آدمی کتنے دن تک اپنے آپ کو کھیل میں مصروف رکھ سکتا ہے۔

گرمی کی اِن چھٹیوں میں انہیں اسکول سے جو کام ملا تھا وہ انہوں نے دو دن میں ختم کر لیا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ کام کم تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ چاروں جب پڑھائی میں یا اسکول کے کام میں مصروف ہوتے تھے تو پوری محنت اور لگن سے کام کرتے تھے۔ محنت اور لگن ہو تو بڑے سے بڑا کام چٹکی بجاتے میں ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا

اسکول کا وہ کام جو دوسرے بچے کھیل کود میں وقت ضائع کرنے کے سبب مہینے بھر میں بڑی مشکل سے پورا کرتے تھے، ان چاروں نے دو دن میں ختم کر لیا تھا۔

اور اب وہ پریشان بیٹھے تھے۔

شہریار کہہ رہا تھا" یار۔ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کریں۔ کوئی کام نہیں ہے۔ کوئی مصروفیت نہیں ہے۔ اور اسکول کھلنے میں ابھی ایک مہینہ باقی ہے"۔

ضیا نے کہا" جب اسکول کھلے ہوتے ہیں تو سب کو یہی فکر ہوتی ہے کہ چھٹیاں کب ہوں گی۔ اور اب چھٹیاں ہو گئی ہیں تو بھائی شہریار فرما رہے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا، کیا کریں۔"

سرفراز بولا۔" ایک آئیڈیا ہے میرے پاس۔!"

سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

سرفراز فخر سے مسکرایا اور سر اونچا کر کے بولا۔" آئیڈیا ہمیشہ ذہین آدمی کے پاس ہوتا ہے۔ تم تینوں کیونکہ میرے مقابلے میں کم ذہین ہو، اس لئے پریشان بیٹھے ہو لیکن میں نے اپنی ذہانت کی مدد سے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملنے والی ذہنی صلاحیتوں کی مدد سے ایک آئیڈیا ڈھونڈ نکالا ہے۔ ایسا آئیڈیا کہ جو سنے گا، پھڑک اٹھے گا"۔

خدا کے لئے، سرفراز۔" شہزاد نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔" ایک تو تم تقریر بہت لمبی کرتے ہو۔ جو آئیڈیا ہے، وہ بتاؤ۔ کام کی بات کرو۔"

ہاں۔" ضیا نے بھی کہا" صرف کام کی بات کرو۔ اور ہمیں مچھلی نہ سمجھو جو پانی سے باہر آتے ہی پھڑکنے لگتی ہے"۔

سرفراز نے غصے سے ان تینوں کی بات سن کر کہا۔" آئیڈیا یہ ہے کہ ہم ایک کنواں کھودنا شروع کریں۔"

"کنواں۔!" تینوں نے حیرت سے ایک ساتھ کہا۔

" ہاں۔" سرفراز مسکرایا" کنواں۔ ہمیں بیلچے اور پھاوڑے اور کدالیں درکار ہوں گی۔ کل صبح سے ہی ہم لوگ سامنے والے میدان میں کنواں کھودنا شروع کر دیتے ہیں، ہمیں صبح سے شام تک محنت کرنی ہوگی۔ کنواں کھودنا آسان کام نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ کم از کم تین ہفتے لگیں گے۔ تقریباً بیس فٹ زمین کھودنی ہوگی جس کے بعد زمین کے نیچے سے پانی نکل آئے گا۔ اس طرح ہم کنواں کھودنے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔

تینوں حیرانی سے سرفراز کو دیکھتے رہے۔

بالآخر شہزاد نے کہا" لیکن ...... لیکن اس کا فائدہ کیا ہوگا۔؟"

سرفراز نے کہا۔" اس کے بعد ہم کنوئیں کو واپس بند کر دیں گے۔ ہمیں ساری مٹی واپس ڈالنی ہوگی ــــ

پھاوڑوں کی مدد سے ہم یہ کام ایک ہفتے میں کر ڈالیں گے کیونکہ یہ کام آسان ہوگا۔"

ضیاء بولا۔ "کیا پاگل ہو گئے ہو۔؟ پہلے کنواں کھودو گے۔ پھر اسے بند کر دو گے۔ اس سے کیا حاصل ہوگا؟"

سرفراز ہنسا۔ "اس طرح ہماری چھٹیوں کا ایک مہینہ گزر جائے گا۔ یہی چاہتے ہونا تم لوگ۔؟"

"کاش یہاں کوئی بڑا پتھر ہوتا۔" شہریار نے زمین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے سرفراز کا دماغ دُرست کر دیتا۔ ہمیشہ ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے۔ اس کا آئیڈیا ہمیشہ ایسا ہی احمقانہ ہوتا ہے۔"

"یہ آئیڈیا احمقانہ نہیں ہے۔" سرفراز نے کہا۔ "آخر تم لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس کنوئیں کے ذریعے دوسرے فائدے بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ پانی پینے کے کام بھی آتا ہے۔ اس کے ذریعے بجلی بھی بنائی جا سکتی ہے۔ آخر یہ جو اتنے بڑے بڑے ڈیم ہیں۔ تربیلا ڈیم اور منگلا ڈیم۔ یہ بجلی کہاں سے لاتے ہیں۔؟ پانی ہی سے تو بناتے ہیں بجلی۔"

"چپ ہو جاؤ سرفراز۔" ضیاء نے کہا۔ "ورنہ ہم مل کر تمہاری اتنی ٹھکائی کریں گے کہ تم زار و قطار، دھاڑیں مار مار کر روتے نظر آؤ گے۔"

شہریار نے کہا۔ "پھر ہم تمہارے آنسو جمع کرتے جائیں گے اور ان آنسوؤں سے بجلی بنائیں گے۔"

"ٹھیک ہے میں چپ ہو جاتا ہوں۔" سرفراز نے سہم کر کہا۔

کچھ دیر وہ چاروں خاموش بیٹھے رہے۔

پھر شہریار نے پوچھا۔ "تم میں سے کسی نے کوئی ڈیم دیکھا ہے۔؟"

"نہیں۔" ضیاء نے پوچھا۔ "مگر میں نے پڑھا ہے کہ ڈیم دراصل پانی جمع کرنے والے بند کو کہتے ہیں۔ بہتے ہوئے دریا کے پانی کو پہلے روک کر جمع کر لیا جاتا ہے۔ پھر اسے چھوٹی سرنگوں یا نہروں کے ذریعے باہر نکالا جاتا ہے۔ جب پانی پوری قوت سے باہر نکلتا ہے تو اس کے ذریعے مشینیں گھومتی ہیں اور بجلی پیدا ہوتی ہے۔"

"دیکھا تو میں نے بھی نہیں ہے۔" شہزاد بولا۔ "مگر مجھے معلوم ہے کہ پاکستان کا تربیلا ڈیم دنیا کا سب سے بڑا ڈیم ہے۔"

شہریار بولا۔ "چلو۔ تربیلا ڈیم دیکھنے چلتے ہیں۔!"

ایک لمحے کے لئے اس کی بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ سب اسے حیرت سے دیکھتے رہے۔

پھر سرفراز نے کہا۔ "آئیڈیا تو اچھا ہے۔ مگر یہ میرے دماغ میں کیوں نہیں آیا۔؟"

ضیاء بولا۔ "بات تو دل کو لگتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ گھر والے ہمیں تربیلا ڈیم جانے کی اجازت بھی دے

دیں گے۔"

شہزاد نے کہا۔" میرا خیال ہے ہمیں تیاریاں شروع کردینی چاہئیے۔"

چاروں خوشی سے اچھل کر کھڑے ہوگئے۔

"تربیلا ڈیم۔" شہریار نے کہا۔" اب یہی ہماری منزل ہے۔!"

سرفراز نے کہا۔ حق اسکواڈ اب تربیلا ڈیم جائے گا۔"

شہزاد نے کہا۔" بالکل جائے گا۔ اسی ہفتے روانہ ہوجائے گا۔"!

تربیلا ڈیم پہنچنا آسان کام نہیں تھا۔

وہ چاروں ٹرین کے ذریعے پہلے راولپنڈی پہنچے۔ راستے بھر وہ مختلف اسٹیشنوں کے نام پڑھتے گئے۔ حیدرآباد روہڑی، ملتان، خانیوال، لاہور، گوجرانوالہ، جہلم، لالہ موسیٰ۔ بے شمار اسٹیشن آتے گئے اور گزرتے گئے۔ اپنے اپنے والدین کی ہدایت کے مطابق وہ کہیں نیچے نہ اترے۔

راولپنڈی پہنچ کر انہوں نے ایک ٹیکسی روکی اور شہر کے باہر واقع بسوں کے اڈے جا پہنچے۔ اس اڈے کو "پیر ودھائی" کہا جاتا ہے۔ یہاں سے مختلف شہروں کے لئے بسیں روانہ ہوتی تھیں۔ ان میں سے کسی نے ساری زندگی کبھی اتنا بڑا بسوں کا اڈہ نہیں دیکھا تھا۔ ہر جانب مختلف شہروں کو جانے والی بسوں کی قطاریں تھیں۔

وہ چاروں تربیلا ڈیم جانے والی بس میں سوار ہوگئے۔ دوپہر تین بجے بس روانہ ہوگئی۔ یہ بس واہ کینٹ، حسن ابدال، ٹیکسلا اور لارنس پور سے ہوتی ہوئی شام ساڑھے پانچ بجے تربیلا کے علاقے میں داخل ہوئی۔ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق مہران گیٹ کے اسٹاپ پر اترے۔

ان کے سامنے انوار صاحب کھڑے تھے۔ سرفراز کے تایا۔! کراچی سے روانہ ہونے سے پہلے ہی انہیں اطلاع دے دی گئی تھی کہ سرفراز اپنے تین دوستوں کے ساتھ تربیلا پہنچ رہا ہے۔

وہ چاروں انوار صاحب کے ساتھ ان کے گھر جا پہنچے۔

انوار صاحب کا گھر خاصا بڑا تھا۔ کئی کمرے تھے اور وسیع لان تھا۔ انوار صاحب تربیلا ڈیم کے ریسرچ آفیسر تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ ببلو، رونی اور رومی۔ اور دو بیٹیاں تھیں۔ بتی اور سونیا۔

حق اسکواڈ کے چاروں ارکان پر سفر کی تھکن سوار تھی۔ کھانا، وغیرہ کھا کر اور انوار صاحب کے بچوں سے تھوڑی دیر باتیں کرکے وہ چاروں رات نو بجے سو گئے۔

صبح اٹھے تو وہ تازہ دم تھے۔ انوار صاحب ڈیوٹی پر جا چکے تھے۔ دوپہر تک وہ کالونی میں ہی گھومتے رہے۔ یہاں ہر جانب سبزہ تھا۔ اونچے اونچے درخت تھے اور پگڈنڈیوں کی طرح بل کھاتی خوبصورت سڑکیں تھیں۔ یہ کالونی پہاڑوں پر بنائی گئی تھی اور یہاں سے مغرب کی جانب دُور دُور تک نظارہ کیا جاسکتا تھا۔

دوپہر کو انوار صاحب گاڑی اور ڈرائیور سمیت اچانک آگئے۔

"چلو بھئی ۔" انھوں نے کہا۔ "فٹافٹ کھانا کھاؤ اور تیار ہو جاؤ۔ ہم ڈیم دیکھنے جارہے ہیں۔"

دس منٹ کے اندر اندر انھوں نے کھانا کھایا اور اس جیپ میں سوار ہوگئے۔ جسے انوار صاحب کا ڈرائیور چلا رہا تھا۔ جیپ مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی، دوسری کالونیاں عبور کرتی، چلتی گئی۔ آدھے گھنٹے بعد جب جیپ ایک پہاڑی کے گرد گھوم کر بڑی سڑک پر آئی تو ان کی نظروں نے وہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا۔

تربیلا ڈیم ۔!

دنیا کا سب سے بڑا ڈیم ۔ ان کی نظروں کے سامنے تھا ۔!

بے تحاشہ اُونچی اور بے تحاشہ لمبی پتھروں کی ایک عظیم الشان دیوار کے پیچھے پانی جمع تھا۔

تھوڑا بہت پانی نہیں ۔

بے شمار پانی ۔! جہاں تک نظر جاتی تھی، پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔!!

"خدایا ۔!" سرفراز نے حیرت سے کہا۔ "یہ کیا ہے ؟"

"یہ تربیلا ڈیم کی جھیل ہے ۔" انوار صاحب نے کہا۔ "ایک سو مربع میل پر پھیلی ہوئی اس جھیل میں اتنا پانی ہے کہ خدانخواستہ اگر یہ دیوار ٹوٹ جائے تو پورے پاکستان میں پانی ہی پانی ہو جائے۔"

شہریار بولا۔ "مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا ہے۔ یہ جھیل تو سمندر لگتی ہے ۔"

انوار صاحب نے بتایا ۔ "اس جھیل میں کئی گاؤں ڈوب گئے ہیں۔ جھیل بنانے کے لئے پہلے یہاں رہنے والوں کو دوسری جگہ آباد کیا گیا۔ پھر اس جھیل میں پانی بھرا گیا۔"

"انکل ۔" شہزاد نے پوچھا۔ "اتنا پانی کہاں سے آگیا ۔!"

"یہ دریائے سندھ ہے ۔" انوار صاحب نے کہا۔ "پہلے اس کا راستہ دوسرا تھا۔ مگر ہم نے پہلے ڈیم بنایا۔ پھر دریائے سندھ کا راستہ ڈیم کی طرف موڑ دیا۔ دریا کا پانی اس جھیل میں آنے لگا۔ ہر سال جب پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے تو دریائے سندھ پورے زور و شور سے بہنے لگتا ہے۔ اس کا پانی یہاں جمع کر لیا جاتا ہے اور پھر اس پانی سے بجلی بنائی جاتی ہے۔ یہی بجلی جس سے ہمارے شہر اور دیہات روشن رہتے ہیں۔ جو پنکھے چلاتی ہے۔ بلب جلاتی ہے۔

استری اور ٹی وی اور فرج چلاتی ہے۔ یہ بجلی ہم اسی پانی سے حاصل کرتے ہیں۔"
وہ جیپ میں دوبارہ سوار ہوگئے۔
کچھ دیر بعد وہ بلندی پر واقع ایک خوبصورت سی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں ایک بورڈ پر لکھا تھا "جائے نظارہ"
لوگ یہاں ڈیم کا نظارہ کرنے آتے تھے۔ یہاں ایک مقام ایسا بھی تھا جہاں پانی بلندی سے نیچے گرتا نظر آتا تھا۔
انوار صاحب نے کہا۔" میں تم لوگوں کو یہاں اس لئے لایا ہوں کیونکہ آج مرکزی اسپل وے کے دو گیٹ کھلنے والے ہیں۔ گیٹ دو بجے کھلیں گے اور تم پانی کا نظارہ کرسکو گے۔"
ٹھیک دو بجے اوپر بنے ہوئے آہنی گیٹ آہستہ آہستہ سرکنے لگے۔
ان چاروں نے حیرت سے گیٹ کھلتے اور پانی کو کسی دیو کی طرح باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔
ہر جانب گڑگڑاہٹ اٹھی۔ یہ پانی کی گڑگڑاہٹ تھی جو پیچھے جھیل میں قید تھا اور اب باہر نکلنے والا تھا۔
گیٹ کھلتے ہی پانی کسی طوفان کی طرح باہر نکلا۔ شور مچاتا، دل ہلا دینے والی آوازیں نکالتا۔ یہ پانی ہی تھا لیکن اس کی قوت اتنی زیادہ تھی اور رفتار اتنی تیز تھی کہ پہلی نظر میں وہ سفید دھواں لگتا تھا۔
زندگی میں پہلی بار انھوں نے پانی کو اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے دیکھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ کہ پانی میں اتنی طاقت ہوگی ہے۔ سفید دھوئیں کا بادل بجلی کی طرح ان کی نظروں کے سامنے سے گزرا اور کنکریٹ کے بنے ہوئے رستے سے ٹکراتا، دھماکے سے نیچے جا ٹکرایا۔ اب پانی پوری قوت سے ان کے سامنے سے بہہ رہا تھا۔ نرم قطروں کی پھوار سینکڑوں فٹ اوپر تک اچھل رہی تھی۔ شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔
شہریار نے اردگرد دیکھا۔
کئی لوگ یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ ان میں کئی غیر ملکی بھی تھے۔ چھوٹے بچے پانی کی گڑگڑاہٹ سے خوفزدہ نظر آتے تھے۔
بڑی عمروں کے لڑکے بہت خوش تھے۔ کئی عورتیں بھی حیرانی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔
اسی وقت شہریار کی نظر ایک دبلے پتلے آدمی پر پڑی جس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا اور سر پر سیاہ ہیٹ۔
وہ کیمرے سے تصویر کھینچ رہا تھا۔ پہلے اس نے بہتے ہوئے پانی کی تصویر کھینچی۔ پھر اس نے کیمرہ اوپر کی جانب اٹھایا اور آہنی گیٹ کی تصویر کھینچی۔
"انکل ۔" شہریار نے پلٹ کر انوار صاحب سے کہا۔" کیا یہاں تصویریں کھینچنے کی اجازت ہے۔؟"

"ہاں، ہاں۔ کیوں نہیں۔" انوار صاحب نے کہا۔ "کل کیمرہ لے کر آئیں گے اور یہاں تم لوگوں کی تصویریں کھینچیں گے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا انکل۔" شہریار نے کہا۔ "میں نے سُنا ہے کہ جو منصوبے ملکی ت کے لئے ہیں، جیسے یہ تربیلا ڈیم ہے، وہاں تصویریں کھینچنے کی اجازت نہیں ہوتی۔"

"اچھا۔" انوار صاحب اس کا مطلب سمجھ گئے تھے۔ "بھئی، بات یہ ہے کہ جس جگہ تم لوگ کھڑے ہو یہ سیر و تفریح کی غرض سے آنے والوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں تو یہیں سے نظارہ کرتے ہیں۔ یہاں تصویریں کھینچنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ پھر یہاں کوئی ایسی اہم چیز بھی نہیں ہے جسے نقصان کے خطرے کے پیش نظر چھپا کر رکھا جائے۔ لوہے کے گیٹ ہیں اور بہتا ہوا پانی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تربیلا ڈیم میں ہر جگہ تصویریں کھینچی جا سکتی ہیں۔ یہاں کی اہم تنصیبات پر اس کی اجازت نہیں ہے۔"

"مثلاً۔؟" شہریار نے پوچھا۔

"مثلاً" پاور ہاؤس کی تصویریں نہیں کھینچی جا سکتیں۔ پاور ہاؤس کے اندر بھی اور باہر بھی۔ اسی طرح سُرنگوں کی طرف اور کئی دوسرے علاقوں میں تصویریں کھینچنے پر پابندی ہے۔ چلو۔ پہلے تم لوگوں کو پاور ہاؤس دکھالاؤں۔ وہاں ہر ایک نہیں جا سکتا۔ اس کے لئے پیشگی اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ میں نے تم چاروں کے لئے خصوصی پاس پہلے سے بنوالئے تھے۔"

پاور ہاؤس کی چوکور عمارت ہر طرف سے بند نظر آتی تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں بجلی پیدا ہوتی تھی۔ ان چاروں نے ان خاردار تاروں کو دیکھا جو عمارت کے گرد موجود تھیں۔ دربان نے ان کے پاس چیک کئے اور پھر انہیں اندر جانے کی اجازت ملی۔ پاور ہاؤس کے دروازے پر ان کے پاس پھر چیک کئے گئے۔

اندر انہوں نے وہ چھوٹا سا خوبصورت ماڈل دیکھا جو بجلی سے چلتا تھا اور جس کی مدد سے یہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا تھا کہ پانی کے ذریعے بجلی کیسے پیدا کی جاتی ہے۔ پانی پوری قوت سے گرتا تھا، بڑی بڑی ٹربائنوں کو گھماتا تھا اور ایک طویل عمل کے ذریعے بجلی پیدا ہو جاتی تھی۔

ماڈل کی مدد سے انہیں یہ سمجھا کر انوار صاحب انہیں لے کر آگے بڑھے۔ ایک نوجوان افسر نے انہیں ہر چیز کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ وہ انہیں لے کر نیچے اتر گیا۔ تین منزلیں اترنے کے بعد اُس افسر نے انہیں بتایا کہ وہ دریا کے اندر کھڑے ہیں۔!!

ان چاروں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن انہیں دریا کے اندر کسی عمارت میں کھڑے رہنے کا موقع

ملے گا۔ یہ سوچ کر ہی ان کا دل لرز رہا تھا کہ ان کے اوپر نیچے ہر طرف دریا ہے۔
انہوں نے اس عظیم الشان ٹربائن کے ایک حصّے کو گھومتے دیکھا جس سے بجلی پیدا ہوتی تھی۔ فولادی ٹربائن اس تیزی سے گھوم رہی تھی کہ اس پر نظر جمانا مشکل تھا۔ لوہے کا فرش لرز رہا تھا۔ اور وہ چاروں لرز رہے تھے۔
وہ پاور ہاؤس سے باہر نکلے تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔ وقت اتنی تیزی سے گزر رہا تھا کہ انہیں احساس بھی نہیں ہوا تھا۔
دور کھڑی ہوئی جیپ کی طرف جاتے ہوئے شہریار نے آسمان کو دیکھا۔ پھر اس نے ارد گرد کی پہاڑیوں پر نظر ڈالی۔ یہ بلاشبہ خوبصورت علاقہ تھا۔ ہر جانب کام ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے ٹرک اور بلڈوزر ادھر سے اُدھر جا رہے تھے۔
اچانک شہریار کی نظر ایک سیاہ ہیٹ پر پڑی۔ دور کھڑی کار کے شیشے میں سیاہ ہیٹ کسی کے سر پر جما ہوا تھا۔
شہریار کو یاد آیا کہ اس نے چند گھنٹے پہلے سیاہ ہیٹ اور سیاہ چشمے اور سیاہ سوٹ والے ایک آدمی کو تصویریں کھینچتے ہوئے دیکھا تھا۔
اس نے غور سے کار کے شیشوں کو دیکھا۔ وہی آدمی تھا — ! اور وہ پاور ہاؤس کی تصویریں کھینچ رہا تھا — !!
شاید وہ کار کی سیٹ پر نہیں، کار کے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ صرف سیاہ ہیٹ چہرہ اور کیمرہ نظر آ رہا تھا۔
وہ پاور ہاؤس کی تصویریں کھینچ رہا تھا۔ اور یہاں قانونی طور پر تصویر نہیں کھینچی جا سکتی تھی — !!
"انکل — !" شہریار نے تیز آواز میں کہا — "وہ آدمی تصویریں کھینچ رہا ہے۔ پاور ہاؤس کی تصویریں — "
"کون آدمی — ؟" انوار صاحب نے چونک کر پوچھا۔
اسی وقت کار روانہ ہو گئی۔ جس میں سیاہ سوٹ، سیاہ چشمے اور سیاہ ہیٹ والا آدمی بیٹھا تھا۔
"وہ اس کار میں جا رہا ہے انکل — " شہریار نے چیخ کر کہا۔
انوار صاحب کے ساتھ وہ چاروں بھی اپنی جیپ کی طرف بھاگے۔ جیپ میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے چونک کر انہیں اپنی طرف آتے دیکھا۔
"خان بابا — " انوار صاحب نے چلّا کر کہا — "اس کار کو روکو — ہر حال میں روک لو — !!"
وہ سب چھلانگ لگا کر جیپ میں سوار ہو گئے۔ جیپ کا انجن اسٹارٹ ہوا۔
پھر جیپ پوری قوّت سے دور جاتی والی سفید کار کے تعاقب میں روانہ ہو گئی — !!
(پھر کیا ہوا — ؟ حق اسکواڈ کی نئی جنگ — سنسنی خیز اور حیرت انگیز کارنامہ .... آئندہ شمارے میں پڑھیئے)

انکل آئی کیو روبوٹ

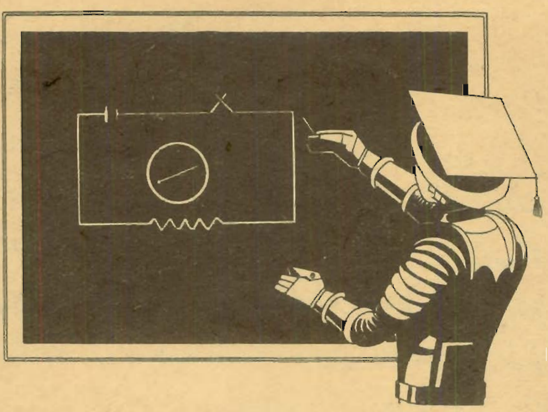

سوالاً جواباً

انکل سُورج کتنی دور ہے ؟

(غفّار مرزا نارتھ ناظم آباد کراچی)

بھئی کہا تو یہ جاتا ہے سورج زمین سے تقریباً ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دُور ہے۔ تقریباً اس لئے کہتے ہیں کہ زمین سورج کے گرد بیضوی مدار میں چکر لگاتی ہے بالکل گول دائرے میں نہیں، اس لئے کبھی فاصلہ بڑھ جاتا ہے کبھی گھٹ جاتا ہے۔ اس لئے جنوری میں سورج ہم سے ۹ کروڑ دس لاکھ پچاس ہزار میل دُور ہو جاتا ہے۔ اور جون میں ۹ کروڑ ۴۰ لاکھ پچاس ہزار میل دُور ہوتا ہے۔ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ جب ہم سردی سے کپکپا رہے ہوتے ہیں تو اس وقت سورج ہم سے ۳۰ لاکھ میل قریب ہوتا ہے۔

انکل کیا گدھے اور گھوڑے میں آپس میں کوئی رشتہ داری ہے۔؟

(ثناء کریم۔ اسلام آباد)

گھوڑا، گدھا، اور زیبرا ایک ہی خاندان کے مختلف افراد ہیں۔ گھوڑے اور گدھے میں اگر گدھا باپ ہو اور گھوڑی ماں ہو تو خچّر پیدا ہوتا ہے اور خچّر گھوڑے کی طرح مضبوط اور گدھے کی طرح چھوٹے قد کا ہوتا ہے۔ اور سامان اٹھانے اور محنت مشقّت کرنے میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا یوں سمجھ لیجئے کہ گدھے گھوڑے میں ماموں بھانجے والی رشتہ داری ہے۔

انکل مقناطیس کس طرح کام کرتا ہے؟

(اے اے مومن، گکھڑ منڈی)

مقناطیس ایک ایسی دھات ہے جو لوہا، نکل، فولاد اور ایسی تمام دھاتوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے جس میں لوہا موجود ہو۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کے اندر برقی مقناطیسی لہریں ہوتی ہے۔ یا اس کو برقی مقناطیسی طور پر چارج کیا جاتا ہے، سیدھی سلاخ والے مقناطیس کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کا رُخ ہمیشہ شمالاً جنوباً رہتا ہے یہ دونوں رُخ ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں۔ یعنی شمال جنوب کو اپنی طرف کھینچتا ہے مگر جنوب کبھی جنوب کو اپنی طرف نہیں کھینچتا۔ آپ مقناطیس رکھیئے اور مقناطیس کو کاغذ کے درمیان میں لے آیئے لوہ چون کے ذرّات ایک خاص ترتیب میں آجائیں گے۔ یعنی جنوبی قطب کے ذرات جنوبی قطب پر جمع ہو جائیں گے اور شمالی قطب کے شمال میں اور یہی انداز قطب نما میں بھی ہوتا ہے۔ مقناطیس دراصل یونانی لفظ میگنیشیا سے نکلا ہے عربی میں "گ" کا حرف نہیں بولا جاتا اس لئے یہ مقناطیس ہوگیا۔ اور پہلا قدرتی مقناطیس بھی یونان میں پایا جاتا ہے جہاں ایک چرواہے کی لاٹھی ایک چٹان سے چپک کر رہ گئی تھی۔ دراصل اس لکڑی میں لوہا لگا ہوا تھا۔

انکل اس بار ہمیں آنکھ مچولی کے ساتھ پنسل ربر اور اسکیل ملا ہے۔ ہمیں یہ بتایئے کہ پنسل کیسے بنتی ہے؟

(فرحان شہزاد، بنوں کینٹ)

پنسل کا لفظ دراصل لاطینی لفظ پنیسیلس (PENKILLUS) سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب ہے "چھوٹی دم" عموماً یہ لفظ باریک برش کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ لیکن آج کل پنسل کا لفظ ایک خاص قسم کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ قلم جسے ہم پنسل کہتے ہیں تقریباً ۲۰۰ سال پرانا ہے۔ تقریباً ۵۰۰ سال قبل گریفائٹ کی دریافت ہوئی۔ جس کو پنسل میں استعمال کرتے ہیں۔ اب یوں سمجھ لیجئے کہ اس وقت خام پنسل تیار ہو چکی تھی۔ پھر نیورمبرگ جرمنی کے ایک مشہور خاندان نے پنسلوں کی تیاری کا کام شروع کیا پہلے پہل تو وہ گریفائٹ کو مٹی میں ملا کر ایک پنسل بنائی گئی پھر اس کو بھٹی میں تپایا گیا۔ اور یہی طریقہ آج کل جدید ترین پنسلوں کے لئے بھی اپنایا جاتا ہے۔

ان پنسلوں کو لیڈ (سیسہ) پنسل کہا جاتا ہے جبکہ ان میں سیسہ نہیں بلکہ گریفائٹ ہوتا ہے۔ کیونکہ گریفائٹ

کو بلیک لیڈ بھی کہا جاتا ہے اس لئے پنسل کو عموماً لیڈ پنسل کہا جاتا ہے۔ پنسل بنانے کے لئے گریفائٹ کو پیسا جاتا ہے، پھر اس کو مٹی اور پانی ملاکر گوندھا جاتا ہے۔

پھر لیڈ کی لمبی لمبی چھڑیاں تیار کی جاتی ہیں اور لکڑی کے کھانچوں میں سیٹ کردی جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان کے اوپر دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ لکڑی کے دونوں ٹکڑوں کو سخت گوند کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ پھر ایک مشین پنسل کو ایک خاص شکل دے دیتی ہے یعنی آپ جیسی بھی پنسل بنانا چاہیں۔ آج کل ساڑھے تین سو سے زائد اقسام کی پنسلیں بن رہی ہیں۔ اور ہر ایک کا ایک خصوصی استعمال ہے۔

آپ ۹ درجہ سخت تک کی بلیک لیڈ کی پنسل خرید سکتے ہیں یا یوں سمجھئے ۲، مختلف رنگوں کی پنسل آپ خرید سکتے ہیں۔

پنسلوں سے آپ شیشے پر کپڑے پر پلیوتھین پر پلاسٹک پر اور مووی فلم پر بھی لکھ سکتے ہیں۔ پنسل کو بچوں سے لے کر ڈاکٹر انجنیئر اور بڑے بڑے لوگ استعمال کرتے ہیں اس کا لکھا ماند نہیں پڑتا۔ اور اس پر موسم کا بھی اثر نہیں ہوتا۔

انکل لوہے کو زنگ کیوں لگتا ہے۔؟

اصل بات یہ ہے کہ بہت سی دھاتیں ہوا میں آکسیجن کے ساتھ مل کر آکسائیڈ بناتی ہیں۔ لوہا ان میں سے ایک دھات ہے۔ پانی میں یا نمی کے موسم میں لوہے پر زنگ لگ جاتا ہے یعنی وہ آکسیجن کے ساتھ مل کر آکسائیڈ بناتا ہے جسے سائنس کی زبان میں (HYDRATED FERRIC OXIDE) کہتے ہیں۔

لوہے پر خشک ہوا میں زنگ نہیں لگتا ہے۔ نہ ہی اس پانی میں اس کو زنگ لگتا ہے۔ جس میں تیزابی خاصیت نہ ہو۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ لوہے کو زنگ لگنے کے لئے ہوا، پانی اور تیزاب کی موجودگی ضروری ہے، بارش کے پانی میں کاربونک ایسڈ کی موجودگی کی وجہ سے آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر باہر پڑی ہوئی لوہے کی چیزیں رات بھر میں زنگ آلود ہوجاتی ہیں۔

انکل پلاٹینم کیا ہے ؟

پلاٹینم آج کل دنیا کی سب سے قیمتی دھات ہے۔ یہ سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ لیکن سونے اور چاندی کے بعد اس کا نمبر آتا ہے۔ آج کل اس کو انگوٹھیاں اور زیورات بنانے میں بہت زیادہ استعمال کیا جاتا ہے اسے عرفِ عام میں سفید سونا یا وائٹ گولڈ کہتے ہیں۔ کیمیائی اثرات کے خلاف اس میں قوتِ مزاحمت موجود ہوتی ہے۔ یہ آسانی کے ساتھ حل نہیں ہوتی۔ بہت سے کیمیائی آلات میں اس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ مشینوں میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

وطن کے ننھے سفیروں کے نام

ایک پیغام

پڑھنے لکھنے سے ہو کام ٹھیک نہیں ہے اب آرام
محنت ہو بس صبح و شام چمکاؤ دنیا میں نام

جیلانی انڈسٹریل کارپوریشن پرائیویٹ لمیٹڈ
الف - ۳۱۲ ، سائٹ کراچی

قسط نمبر۲

ایف ملک سلیم

پاسبان

افغانستان کے پس منظر میں لکھا ہوا سلسلہ وار ناول

رات کی گہری تاریکی میں کسی کے چلنے کی آواز نے ہلچل مچادی۔ آنے والا شخص ایک فوجی تھا اس کا نام مسٹر جورگن بتایا گیا تھا۔ میرا ایک بازو گولی کی وجہ سے زخمی تھا۔ لیکن اس کے باوجود میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے تھے اس شخص نے ہزار وولٹ کے دو بلب جلادیئے جو عین میری آنکھوں کے اوپر روشن تھے اس نے میرے چہرے پر ایک بھرپور مکا جڑ دیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جلال آباد کا پل جس پر سے روسی سپاہی گذر رہے تھے کس نے تباہ کیا تھا اُسے شک تھا کہ وہ پل میں نے تباہ کیا تھا۔ میں بے ہوش ہو گیا۔

دوسری جانب کے جی بی کا ایک خاص ایجنٹ راک آرکنڈ ماسکو سے قندھار پہنچ چکا تھا۔ اس ایجنٹ کو خصوصی طور پر اس لئے بلایا گیا تھا کہ افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت اور اس کے روسی مشیر افغان مجاہدین کی سرگرمیوں سے تنگ آچکے تھے اس ایجنٹ کو ورکنگ کمیٹی کے چیئرمین جارج کو ایک افغان نوجوان اَبلال خان کی تصویر دکھائی اَبلال خان نے ایک ایسی دوا تیار کرلی تھی جس کو سونگھتے ہی آدمی موت کی وادی میں چلا جاتا ہے پھر دو افغان نوجوانوں ارفع اور ارمغان خان کی تصویر دکھائی پھر بتایا کہ ان لوگوں کو ان کا بڑا بھائی شیر زمان ہدایات دیتا ہے۔ قندھار کی پہاڑیوں کے دامن میں ایک غار میں ارمغان اَبلال کو یہ اطلاع ایک روسی اڈیرک سے ملی جو مسلمان ہو گیا تھا کہ ان لوگوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ماسکو سے ایک خاص ایجنٹ بلایا گیا ہے۔

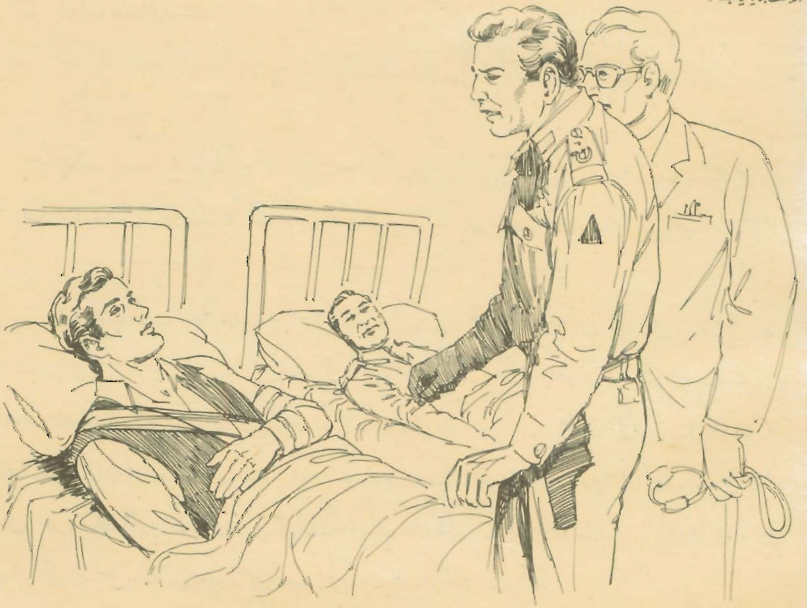

راک آرکنڈ کمرے میں اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اس کو فون پر مطلع کیا گیا کہ ایڈرک فائل لے کر اس کے پاس آ رہا ہے ایڈرک راک آرکنڈ کے پاس ان تینوں مجاہدوں کی فائل لے کر پہنچ گیا راک نے ایڈرک سے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی ان دونوں کو دیکھا ہے راک نے انکار کیا ایڈرک جب جانے لگا تو راک نے اس کو خدا حافظ کہا ایڈرک چونک گیا تو راک نے کہا کہ مجھے پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ تم مسلمان ہو اور افغانیوں کے لئے جاسوسی کرتے ہو کیونکہ تم نے کافی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھی تھی۔ اسی لئے تم نے اچانک خدا حافظ کہا اور اب ٹھہر جاؤ تمہاری آخری گھڑی آن پہنچی ہے۔ پھر کیا ہوا آگے پڑھیئے۔

ایڈرک کو اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی اس موقع پہ اسے بچپن کی وہ کہانیاں یاد آ گئیں جن میں جب شہزادہ مڑ کر دیکھتا تو پتھر کا بن جاتا تھا۔

ایڈرک دھیرے دھیرے راک کی طرف مڑا اور پھر وہ چونک گیا۔

"راک کے ہاتھ میں شاٹ گن موجود تھی جس کا رُخ اس کی طرف تھا۔

"سر... سر آپ کو "غلط فہمی ہوئی ہے" وہ ہکلایا......

نہیں ..... میں اندازے لگانے کا ماہر ہوں ..... دراصل اس زندگی میں ..... میں ان سب لوگوں کے درمیان بیٹھ چکا ہوں جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھتے تھے ..... اب میں آدمی کی بات چیت سے ہی اندازہ لگا سکتا ہوں کہ وہ کیا ہے ؟ تم میرا مطلب سمجھ ہی گئے ہو گے۔

اور ہاں مجھے یہ بھی اندازہ ہے کہ تم ان لوگوں کے اڈے کے بارے میں مجھے پتہ نہیں بتاؤ گے ..... اس لئے سوال کرنا بے سود ہے۔

اتنا کہنے کے بعد راک نے شاٹ گن سیدھی کی اور پھر ٹرائیگر پہ اپنی انگلی کی گرفت مضبوط کر لی۔

ایڈرک نے پسینہ صاف کیا.....

اچانک ایک شعلہ شاٹ گن سے لپکا اور پھر ایڈرک کی ہولناک چیخ بلند ہوئی ..... درختوں پر بیٹھے پرندے خوف کے مارے پھڑپھڑائے ہوئے اڑے اور راک نے ..... گن سے نکلتا ہوا دھواں پھونک سے اڑا دیا۔

میں نے اپنے آپ کو نرم گدے پہ محسوس کیا ..... میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو بازو پہ زور پڑنے سے درد کی ٹیسیں محسوس ..... میں نے اپنی آنکھیں کھولیں ..... دھندلی دھندلی سی یہ جگہ دھیرے دھیرے صاف ہونے لگی۔ میری نظر سامنے لٹکے ہوئے کیلنڈر پہ پڑی ۲۸ نومبر ..... میں ۲۵ کو گرفتار ہوا تھا ۲۶ کو میں بے ہوش ہوا اس کا مطلب ہے میں دو دن بے ہوش رہا۔۔۔ میرے اُلٹے ہاتھ پہ خون کی ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اور سیدھے ہاتھ پہ پٹی بندھی ہوئی تھی شاید گولی لگنے سے کافی خون ضائع ہو گیا تھا ..... مجھے کچھ ہی فاصلے پہ اور بھی بستر نظر آئے جن پہ چند زخمی پڑے ہوئے درد سے کراہ رہے تھے۔

اوہ تو یہ ہسپتال ہے۔لیکن میں یہاں کیسے پہنچا" اچانک میری نظر دروازے پر پڑی ایک مستعد فوجی کرسی پہ بیٹھا ہوا تھا۔اس کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔

ہوں ... تو جورگن مجھے زندہ دیکھنا چاہتا ہے تاکہ میں صحیح ہو جاؤں تو مجھ سے یہ راز اگلوانے کی کوشش کرے۔

اچانک باہر بیٹھا آدمی سیدھا کھڑا ہو گیا اور پھر کسی کو اپنے قریب آتا دیکھ کر سلیوٹ مارنے لگا۔

ہیلو ... کیسا محسوس کر رہے ہو ..... مسٹر ....

"شیر زمان" میں نے فوراً کہا ......

ھا ..... ھا .... تم جیسے شیروں کا زمانہ اب ختم ہو گیا۔

شیر .... شیر ہوتا ہے اس کی حکومت مرنے دم تک رہتی ہے .... اور اگر کوئی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے" میں نے جواب دیا۔

گڈ باتیں تم اچھی کر لیتے ہو ..... اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا ایک ڈاکٹر اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

"سر زیاد خان جس کی ٹانگ بم کے دھماکے سے بری طرح مجروح ہوئی تھی ...... اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی۔ اور اب یہ پہلے کی نسبت کافی صحت مند ہے۔

ڈاکٹر نے کہا۔

ٹھیک ہے اسے کل میرے پاس لے آؤ ......

اور سر یہ جلال جس کی آنکھیں اور چہرہ ... جھلس گیا تھا .... چہرہ تو صحیح ہو گیا ہے مگر آنکھیں ختم ......"

ہمیں آنکھوں کی نہیں اس کی زبان کی ضرورت ہے ... سمجھے تم ...... جورگن نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سر یہ حیات .... اس کا ذہن ناکارہ ہو گیا ہے .....

اوہ یعنی اب اس کا کوئی فائدہ نہیں" جورگن نے ریوالور ہاتھ میں تولا اور پھر اس کی کنپٹی پہ رکھ کر لبلبی دبادی۔..

ایک بلند چیخ سنائی دی ... اسے باہر پھینک دو ..

تمہاری اس حرکت پہ بہت افسوس ہوا ... میں نے غصے سے کہا۔

لیکن میں تمہیں زندہ رکھ رہا ہوں تم مجھے مار بھی نہیں سکتے۔

شاید تم غلطی پہ ہو میں تمہیں مار بھی دوں گا" یہ کہہ کر جورگن نے ریوالور میری کنپٹی پر رکھ دیا۔

سب ہی افراد خوف کا اظہار اپنے چہروں سے کر رہے تھے ..... میں مطمئن تھا .... جورگن نے لبلبی پہ انگلی رکھی اور دبادی .....

ٹک!.....ایک آواز آئی اور لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔
شاید تم صحیح کہہ رہے تھے کہ میں تمہیں نہیں مار سکتا۔ جورگن نے اپنے ہاتھ میں موجود گولی دکھاتے ہوئے کہا۔
اور پھر قریب آکر بولا "تم لوگوں میں اتنا حوصلہ کیوں ہوتا ہے تم کو موت سے خوف نہیں آتا۔
"تم مسلمان ہو جاؤ.... پھر دیکھنا تم پہ خدا کے خوف کے آگے کوئی بھی شئے غالب نہیں آئے گی۔
جورگن جواب نہ دے سکا اور آگے بڑھ گیا۔
میں طفیل زمان کا بیٹا ہوں۔ ہم دو بھائی شیر زمان اور اجلال زمان ہیں.... میرا باپ جہاد میں شریک تھا۔
اور پھر شہادت کا رتبہ حاصل کیا..... اور مجھے خوشی ہے کہ اس نے اتنا بڑا رتبہ حاصل کیا۔
اپنے باپ کے ارادوں نے مجھے اور بھی مضبوط کر دیا اور پھر میں اور میرا بھائی اجلال دشمنوں کے لئے موت کا پیغام بن گئے.... خدا نے ہماری ہر جگہ مدد کی اور ہم کامیابیوں کی سرحدیں پار کرتے گئے..... اور پھر میں نے ایک خطرناک منصوبہ بنایا.... اس منصوبہ میں میرے ساتھ میرا بھائی اجلال۔ ارمغان اور ارفع شامل تھے۔ پُل اڑا دیا گیا اور پھر ایک گولی نے مجھے نڈھال کر دیا میں خود بھاگ نہیں سکا کیوں کہ خون کی کمی نے مجھے بے ہوش کر دیا تھا۔ لیکن میں نے ان تینوں کو بھاگنے کا موقع فراہم کر دیا۔
معاف کیجئے گا کیا میں آپ کا چیک اَپ کر سکتا ہوں" اچانک ڈاکٹر کی آواز نے مجھے سوچوں کے جال سے آزاد کیا اور میں تلخ ماضی سے حال کے ہنگاموں کی طرف متوجہ ہو گیا۔
ڈاکٹر میرا چیک اَپ کرنے لگا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا اس کے چہرے پہ میرے لئے ہمدردی کے آثار نمایاں تھے۔
میں کل پھر آؤں گا..... یہ کہہ کر ڈاکٹر پلٹا اور پھر ایک کاغذ میرے ہاتھ میں تھما دیا.... میں نے اُسے مٹھی میں دبوچ لیا.... اس کے جاتے ہی میں نے پرچہ کھولا اور پھر میں چونک پڑا۔
اگر فرار ہونا چاہتے ہو تو تیار رہو رات بارہ بجے آزادی تمہارا مقدر بن جائے گا۔

ارفع کا سانس بُری طرح پھولا ہوا تھا۔ اس کی بے ترتیب سانس سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ ایک ہولناک خبر ان دونوں کا مقدر بنی ہے۔
"ایڈرک! مارا.... گیا" ارفع نے اکھڑی ہوئی سانس کے ساتھ جملہ مکمل کیا۔
نہیں! اجلال چلّایا۔

"یہ ..... یہ سب .... کیسے ہوا. اس کی موت کا ذمہ دار کون ہے" ارمغان بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا۔
"راک آرکنڈ .... روس کا خاص آدمی جو کرائے پہ ہر ایک کا قتل کر دیتا ہے ..... پل اُڑانے کی کاروائی اور ہمیں پکڑوانے کے لئے اسے خاص طور پہ بلایا گیا ہے" ارفع نے کہا۔

اوہ .... اے میرے اللہ .. ایڈرک کی موت ایک مسلمان کی شہادت ہے اُسے اپنی رحمت کے سائے میں جنت کی ہوا دینا ..... یہ .... یہ میری التجا ہے .... اجلال نے آنسو روکتے ہوئے کہا۔

آمین! دونوں بہ یک زبان بولے۔

اس کی رہائش کدھر ہے وہ ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے گا" ارمغان کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔
"کابل کا نواحی علاقہ جہاں زیادہ تر اہم شخصیات رہتی ہیں" ارفع نے بیٹھے ہوئے کہا اور پھر جگ میں سے پانی نکال کر پینے لگا۔

میں اسے چھوڑوں گا نہیں: ارمغان چلایا۔

اگر یہ فیصلہ جذبات کے بل بوتے پہ ہو جاتا تو پھر امن سکون لوگوں کو کہیں نہیں ملتا ہمیں اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اجلال نے نرم لہجے میں کہا۔

ارمغان نے غصے میں زمین پہ مکہ مارا اور سر نیچے کر کے سوچنے لگا۔

ہم قدم اٹھائیں گے ... یہ میرا وعدہ ہے لیکن ابھی نہیں ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہو گا۔ جب ظالم اور مظلوم ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہوں۔

صبح کا سورج طلوع ہو چکا تھا.. سڑکوں پہ آمد و رفت شروع ہو چکی تھی ... سڑک کی صفائی کرنے والا خاکروب اچانک ایک ڈرم کے قریب کوڑا پھینکتے ہوئے چلایا۔

اس کی چیخ خوف سے بھرپور تھی۔ لوگوں کا ہجوم دھیرے دھیرے بڑھنے لگا۔

کوڑے کے ڈرم میں ایک لاش موجود تھی۔

کوڑے کا ڈرم الٹایا گیا اور پھر لاش باہر آن گری۔

لاش کا سر غائب تھا..... اس کے جسم پہ جگہ جگہ سگریٹ کے نشانات موجود تھے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کے ناخن بھی غائب تھے۔

"یہ ... یہ کون ہے" ایک شخص چلایا۔

پولیس کے اہلکار جائے واردات پہ پہنچ گئے.... لیکن وہ صرف اتنا معلوم کر سکے کہ یہ لاش کسی روسی کی ہے کیونکہ اس کے ہاتھ پہ اس کا نام "ایڈرک" گدا ہوا تھا... اس کے علاوہ اس کا پورا جسم جو گدا تھا اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ روسی ہے۔

"ایڈرک ....میں اسے جانتا ہوں ...... یہ ہماری فوج میں شامل تھا.....اور اس کا خون کسی افغانی درندے نے کیا ہے۔ ایک پولیس والا چلایا......

اخباری نمائندے اس گرم اور اہم خبر کو نہ صرف لکھ رہے تھے بلکہ دھڑا دھڑ تصویریں بھی اتار رہے تھے۔

ٹھیک رات کو بارہ بجے وہ داخل ہوا.... میں نے درد کا بہانہ کیا اور وہ مجھے اسٹریچر پہ لٹا کر باہر کی طرف لے آیا.... اور پھر بولا۔

"یہاں سے فرار کا صرف ایک راستہ ہے تم اس اسپتال کی چھت پہ چڑھ جاؤ اور پھر وہاں سے چھلانگ لگا لو عمارت دو منزلہ ہے لیکن تمہیں یہ رسک لینا پڑے گا۔"

میں اس کے لئے تیار ہوں لیکن آپ کا کیا ہوگا" میں گھبرا کر بولا۔

"لو یہ ریوالور اور میری ٹانگ پہ گولی مار دو.....اس طرح میرے پاس پہنچنے کا راستہ فراہم ہو جائے گا۔

"نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا" میں ایک دم بولا۔

فرار کا یہی ایک راستہ ہے..... میں اگر یہ اذیت برداشت نہ کر سکا تو پھر جورگن کے مظالم کئی گناہ بڑھ جائیں گے" ڈاکٹر نے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔

ٹھیک: میں نے مجبوری ظاہر کی۔

"لیکن اس طرح فوج کے آدمی گولی کی آواز سن کر آجائیں گے" میں رُک گیا۔

"تم جانباز ہو کیا ان مٹھی بھر لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ اس نے میری طرف دیکھا میں نے ماتھے پہ موجود پسینہ صاف کیا اور پھر ریوالور سیدھا کر لیا میرا لرزتا ٹرائیگر پہ موجود انگلی پہ بڑھتا جا رہا تھا۔

اچانک دھڑام سے دروازہ کھلا میں گھبرا کر مڑا اور پھر چونک سامنے جورگن کا شیطانی وجود کھڑا تھا۔

اس کے ہاتھ میں مشین گن تھی.....وہ مسکرایا اور بولا۔

شیر رات کی تاریکی میں نہیں بھاگتے شیر زمان۔

شیر زمان سے جورگن کا سلوک کیا رہا؟ آئندہ ماہ پڑھیے۔

ماہنامہ

آنکھ مچولی

اچھا پڑھیے

آگے بڑھیے

آپ کی علمی ضرورت بھی ہے اور آپ کے ادبی

اسے باقاعدگی سے پڑھنے کے لئے اور اس کے حصول کو آسان بنانے کے لئے

ہماری خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہوجائیے

اس میں مالی منفعت بھی ہے اور علمی فائدہ بھی

اسے حاصل کرنے کی ذمہ داری ہم پر ڈال دیجئے

ماہنامہ آنکھ مچولی (خصوصی بچت اسکیم) گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی۔۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

خصوصی بچت اسکیم

۱۲ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) رجسٹرڈ ڈاک سے ۱۲۰/۹۰ روپے

۲۴ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) رجسٹرڈ ڈاک سے ۲۴۰/۱۸۰ روپے

مالی فائدے کے علاوہ زحمت سے نجات رسالے کی بحفاظت ترسیل اور ۲ سالہ ممبر شپ پر قیمتی کتب بلا معاوضہ

- -

میں ماہنامہ "آنکھ مچولی کی خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہونا چاہتا / چاہتی ہوں۔
اس کوپن کے ساتھ ۱۲/۲۴ شماروں کی قیمت مبلغ.....روپے کا بینک ڈرافٹ / پوسٹل آرڈر
منی آرڈر کی رسید منسلک ہے ــــ میرے نام حسب ذیل پتے پر ماہ ......سے ماہنامہ
جاری کردیا جائے۔

نام ____________________

مکمل پتہ ____________________

کوئی ضروری ہدایت ____________________

فون نمبر ____________ دستخط ________

استاد: "وہ کونسی غذا ہے جو لذّت اور توانائی کے لحاظ سے سب سے آگے ہے اور جس میں ملاوٹ نہیں کی جاسکتی؟"

شاگرد: "انڈا۔ بشرطیکہ امتحان میں نہ ملے؟"

انڈے کے غذائی اجزاء

پروٹین	۶-۷۰ گرام
کیلوریز	۷۰ گرام
کیلشیم	۰-۰۳ گرام
فاسفورس	۰-۱۱ گرام
فولاد	۱-۵۵ گرام
وٹامن اے	۵۰۰ آئی۔یو
وٹامن ڈی	۳۰ آئی۔یو
وٹامن بی	۱۱۴۰ مائیکروگرام

دو انڈے روزانہ ۔ تندرست و توانا

اشتہار برائے بہبود اطفال، منجانب: ماہنامہ آنکھ مچولی کراچی

عقیل عبّاس جعفری

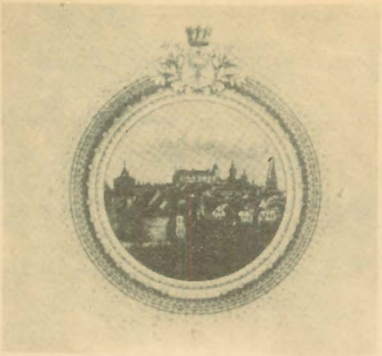

ویو کارڈز جمع کرنا

دنیا کے بہت سے دوسرے مشاغل کی طرح ایک دلچسپ مشغلہ تصویری پوسٹ کارڈز (PICTURE - POST CARD) یا ویوز کارڈز (VIEW CARDS) جمع کرنا بھی ہے۔ یہ ایک ایسا مشغلہ جس سے ہم نہ صرف تاریخ کے بارے میں بہت کچھ جان سکتے ہیں۔ بلکہ دُور دراز کے ایسے مقامات کے بارے میں بھی، جن کا ہم نے نام بھی نہ سنا ہو دلچسپ معلومات اکٹھی کر سکتے ہیں۔ ان کارڈز کی مدد سے ہم چھپائی (طباعت) کی تاریخ کے بارے میں بھی علم حاصل کر سکتے ہیں اور اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے متعدد طور طریقوں کے بارے میں بھی۔ آیئے آج ہم آپ کو اس دلچسپ مشغلے کے بارے میں کچھ بتاتے ہیں۔

ڈاک کے ٹکٹوں کی طرح، تصویری پوسٹ کارڈز جمع کرنے کے مشغلے کے آغاز کا قصّہ بھی ایک صدی پُرانا ہے۔ یکم اکتوبر ۱۸۶۹ء، وہ تاریخی دن ہے۔ جب آسٹریا کے محکمۂ ڈاک نے دنیا کا پہلا پوسٹ کارڈ جاری کیا۔ اس کارڈ کے اجراء کا بنیادی خیال ڈاکٹر ایمونیل ہرمن نے پیش کیا تھا۔ پوسٹ کارڈز کا یہ طرز ساری دنیا میں پسند

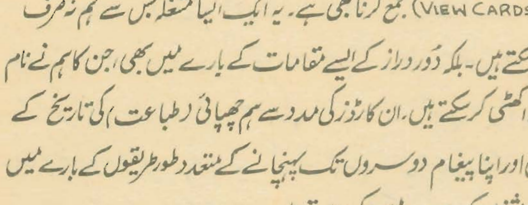

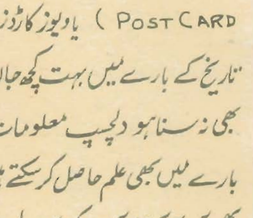

کیا گیا اور چند برسوں کے اندر دنیا کے بیشتر ممالک نے اپنے اپنے پوسٹ کارڈز جاری کردیئے۔

۱۸۷۲ء میں سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورخ سے دنیا کا پہلا تصویری پوسٹ کارڈ جاری کیا گیا۔ یہ تصویری پوسٹ کارڈ، نیورمبرگ کے ۲۱ سالہ فرانز روریچ (FRANZ RORICH) نے تیار کیا تھا اور اسے زیورخ سے جے ایچ لوچر (J.H.LOCHER) نے شائع کیا تھا۔ اس تصویری پوسٹ کارڈ میں زیورخ کے چھ مناظر دکھائے گئے تھے اس کارڈ کے بعد مزید دو کارڈز بھی شائع کئے گئے جنہیں زیورخ کے مزید تین تین مناظر دکھائے گئے تھے۔ اُسی برس روریچ اور لوچر نے کچھ اور کارڈز بھی شائع کئے۔ جن پر سوئٹزرلینڈ اور جرمنی کے کئی دوسرے شہروں کے مناظر دکھائے گئے تھے۔

۱۸۹۴ء سے پہلے برطانیہ میں تصویری پوسٹ کارڈز کی اشاعت ممنوع تھی۔ یکم ستمبر ۱۸۹۴ء کو برطانیہ میں تصویری پوسٹ کارڈز شائع کرنے کی اجازت ملی۔ اس زمانے کا ایک تصویری پوسٹ کارڈ جو آج بھی محفوظ ہے۔ ۱۵ ستمبر ۱۸۹۴ء کو شائع کیا گیا تھا۔

ابتدائی زمانے میں جو تصویری پوسٹ کارڈز شائع کئے جاتے تھے ان پر جس جانب تصویر شائع ہوتی تھی پیغام بھی اسی جانب لکھا جاتا تھا۔ دوسری جانب صرف مکتوب الیہ کا پتہ تحریر کیا جاتا تھا۔ موجودہ طرز کے تصویری پوسٹ کارڈز جن پر تصویر کی دوسری جانب مکتوب الیہ کا پتہ لکھنے کی بھی جگہ ہوتی ہے۔ اور پیغام لکھنے کی جگہ بھی، اہلِ برطانیہ کی اختراع ہے۔ اس طرح کے کارڈز اس صدی کی پہلی دہائی میں شائع ہونا شروع ہوئے اور پھر دنیا کے تمام ممالک میں اسی قسم کے کارڈز کا رواج ہوگیا۔

۱۸۸۰ء سے پہلی جنگِ عظیم کے اختتام تک یورپ اور امریکہ میں کروڑوں تصویری پوسٹ کارڈز شائع کئے گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تصویری پوسٹ کارڈز جمع کرنا، ایک نئے مشغلے کے طور پر متعارف ہوا تھا۔ اور صرف برطانیہ اور امریکہ میں اس مشغلہ کے شائقین کی تعداد لاکھوں افراد تک جا پہنچی تھی۔ تقریباً ہر بڑے شہر میں تصویری پوسٹ کارڈز جمع کرنے والوں کے کلب بن گئے تھے۔ یہ کلب ان کارڈز کے بارے میں خبری مراسلے اور بلیٹن شائع کرتے تھے۔ جن سے متعلقہ افراد کو نت نئی اور اہم معلومات فراہم کی جاتی تھیں۔ اسی زمانے میں مصوّرہ پوسٹ کارڈز کا رواج بھی شروع ہوا۔ اور اس قدر خوبصورت اور دیدہ زیب کارڈز شائع کئے گئے کہ کچھ افراد نے محض ان کارڈز کی خوبصورتی کے باعث ہی انہیں محفوظ کرنا شروع کردیا۔

۱۹۳۰ء میں امریکہ کے ایک باشندے رینڈل رہوڈز نے تصویری پوسٹ کارڈز کے مطالعے کے لئے ایک ایک نیا لفظ (DELTIOLOGY) وضع کیا۔ جو دراصل یونانی زبان کے دو الفاظ (DELTION) بمعنی چھوٹی تصویر یا کارڈ اور (LOGOS) بمعنی علم سے مل کر بنا ہے۔ اس لفظ کی مدد سے دوسرے الفاظ بھی

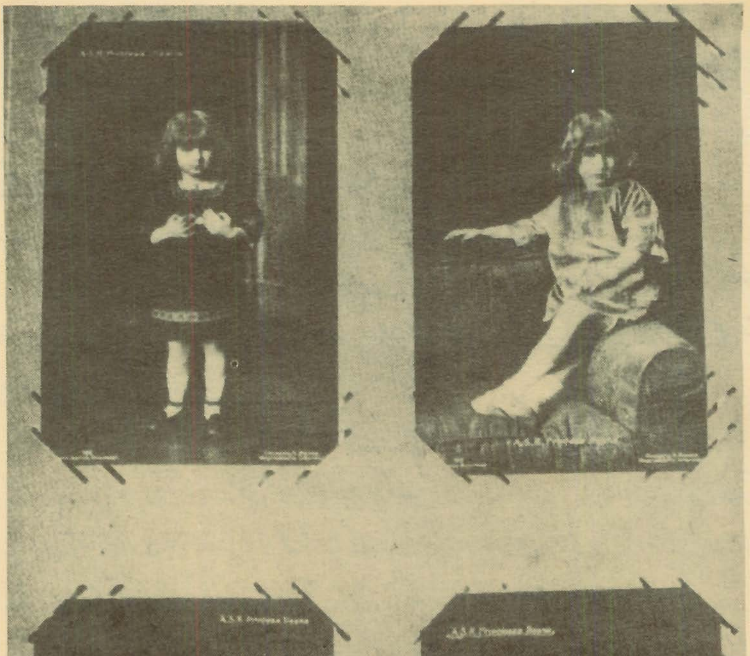

چار نایاب تصویری پوسٹ کارڈ

وضع ہوئے اور تصویری پوسٹ کارڈز جمع کرنے کے شائق کو (DELTIOPHILE) تیار کرنے والے کو (DELTIOGRAPHER) اوران کارڈز کا علم رکھنے والے اشخاص کو (DELTIOLOGIST) کہا جانے لگا۔

دنیا کے دوسرے متعدد مشاغل کی طرح، کوئی بھی شخص تصویری پوسٹ کارڈز کا سب سے بڑا ذخیرہ رکھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مگر دوسرے مشاغل کی بہ نسبت، یہ مشغلہ نہ صرف یہ کہ بہت کم جگہ گھیرتا ہے اور انہیں آج کل کے چھوٹے مکانات اور فلیٹوں میں بھی باآسانی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان کے ضائع ہونے اور دوسری اشیاء کی طرح ان کے ٹوٹنے پھوٹنے کا امکان بھی بہت کم ہوتا ہے۔

جُوں جُوں تصویری پوسٹ کارڈز کی تعداد اشاعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس مشغلہ کے شائقین کو محض چند موضوعات تک محدود ہونا پڑا۔ بالکل اسی طرح، جس طرح ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کے شائقین بھی محض چند موضوعات تک محدود رہتے ہیں۔

تصویری پوسٹ کارڈز کے سلسلہ میں جو موضوعات زیادہ اہمیت کے حامل ٹھہرے ان میں ٹرانسپورٹ، پانی کے جہاز، ذرائع مواصلات، جغرافیہ، بچّوں کی تصاویر، کھلونے اور گڑیاں، مذہبی، سماجی اور سیاسی موضوعات فنون لطیفہ، کسی ایک ہی مصوّر یا پبلشر کے شائع کئے ہوئے کارڈز اور اسی نوعیت کے دوسرے بہت سے موضوعات شامل ہیں۔

اس صدی کے اوائل میں جو تصویری پوسٹ کارڈز شائع کئے گئے ان میں سے بیشتر ایسے بھی تھے جو اس زمانے میں پیش آنے والے اہم واقعات، نئی ایجادات اور نت نئے کارناموں کے بارے میں تھے۔ اس قسم کے کارڈز سے اس زمانے کے بارے میں بہت اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

علاوہ ازیں، پوسٹ کارڈز کے مطالعے سے ہر عہد کے ملبوسات اور فیشن کے بارے میں بھی اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان پوسٹ کارڈز سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے شہر آج سے ستّر، اسّی برس پہلے کیسے تھے۔ اس زمانے میں ان شہروں کی تعمیرات کس طرح کی تھیں، لوگ کس طرح کی سواریاں استعمال کرتے تھے اور ان کا رہن سہن کیسا تھا۔

تصویری پوسٹ کارڈز جمع کرنا ایک دلچسپ، آسان اور سستا مشغلہ ہے، اگر آپ اس مشغلہ سے وابستہ ہونا چاہتے ہیں تو اپنی کسی قریبی کتابوں کی دکان سے ابتدا کیجئے ان دکانوں پر اس نوع کے پوسٹ کارڈز باآسانی دستیاب ہوتے ہیں۔

جب آپ کے پاس مقامی طور پر شائع ہونے والے کارڈز ایک معقول تعداد میں جمع ہو جائیں تو پھر

دوسرے ممالک سے یہ کارڈز منگوانے پر توجہ دیجئے۔ اگر آپ کے کوئی دوست یا عزیز بیرونِ ملک رہتے ہوں تو ان سے خط و کتابت کیجئے انہیں اپنے شوق کے بارے میں بتائیے اور انہیں لکھیئے کہ وہ بھی اپنے ملک سے آپ کے لئے خوبصورت اور دیدہ زیب کارڈز ارسال کریں۔ کارڈز حاصل کرنے کی غرض سے آپ دوسرے شہروں اور دوسرے ملکوں میں قلمی دوست بھی بنا سکتے ہیں۔

کوشش کیجئے کہ آپ کے مجموعے میں ہر طرح کے کارڈز کی بجائے کسی خاص موضوع سے متعلقہ کارڈز ہی جمع ہوں۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ مجموعہ مرتب کرنا بھی آسان ہوگا بلکہ وہ زیادہ خوبصورت اور قیمتی بھی ہو جائے گا۔ ڈاک کے ٹکٹوں کے مجموعے کی طرح تصویری پوسٹ کارڈز کے مجموعے کی قیمت کا تعین بھی اس کے موضوع اور اس کے لحاظ سے مکمل ترین مجموعہ مرتب ہونے سے ہوتا ہے۔ آپ کے پاس آپ کے موضوع سے متعلق جتنے متنوع اور جتنے زیادہ کارڈز ہوں گے۔ آپ کا مجموعہ اتنا ہی زیادہ قیمتی ہوگا۔

کارڈز کے حصول کے بعد، دوسرا مرحلہ انہیں محفوظ کرنے کا ہے۔ اس مقصد کے لئے آپ تصویریں لگانے والی البم استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ البمیں دو تین طرح کی ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ، جنمیں مختلف خانے ہوتے ہیں اور ہر خانے میں دو تصویریں آگے پیچھے رکھی جا سکتی ہیں۔ دوسری وہ، جن میں البم کے صفحات پر ایک چپکنے والے کارنرز کی مدد سے لگائی جاتی ہیں اور تیسری وہ جن میں البم کے صفحات پر ایک چپکنے والا شفاف پلاسٹک لگا ہوتا ہے ان صفحات پر احتیاط سے کارڈز رکھ کر اوپر سے پلاسٹک دوبارہ چپکاں کر دی جاتی ہے۔ یہ البم دوسری البموں کی بہ نسبت ذرا سی مہنگی ضرور ہوتی ہے۔ مگر ان میں آپ کے پوسٹ کارڈز ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔

اگر آپ دوسری طرح کی البم میں کارڈز محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو صرف اور صرف کارنرز کی مدد سے چپکاں کیجیے پوسٹ کارڈ کو البم پر براہِ راست چپکاں کرنے سے ہمیشہ گریز کیجئے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ وہ بدنما نظر آتے ہیں۔ بلکہ اگر انہیں کسی وجہ سے البم سے نکالنا پڑ جائے تو وہ مکمل طور پر ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنے کے شوقین ہوں تو بھی ہمیشہ کوشش کیجئے کہ ان کارڈز پر سے ڈاک کے ٹکٹ علیحدہ نہ کیجئے کیونکہ اس طرح کارڈ اور ٹکٹ دونوں کے خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

اگر آپ کو کوئی ایسا کارڈ ملے جو پہلے کسی اور البم پر چپکایا گیا تھا اور اب اس پر اس البم کے صفحے کے کچھ ٹکڑے چپک گئے ہوں تو اس کارڈ کو نیم گرم پانی میں ڈال کر اس کے نشانات کو ناخن کی مدد سے صاف کر دیں۔ پھر اس کارڈ کو خشک ہونے کے لئے کسی بلاٹنگ پیپر کی شیٹ کے درمیان رکھ کر اس پر کوئی وزنی چیز رکھ دیں۔ اس طرح کارڈ کا تمام پانی بلاٹنگ پیپر میں جذب ہو جائے گا۔ جب وہ پوری طرح خشک ہو جائے تو اسے اپنی البم میں محفوظ کر لیں۔

اگر آپ ایک سے زائد موضوعات کے تصویری پوسٹ کارڈز جمع کرنے کے خواہشمند ہوں تو کوشش کیجئے کہ ان پوسٹ کارڈز کو ان کے موضوعات کے لحاظ سے ترتیب دیا جائے۔ مثلاً پہلے آپ کسی ایک ہی ملک کے کارڈز چسپاں کریں پھر کسی دوسرے ملک یا کسی دوسرے موضوع کے کارڈز چسپاں کریں۔

البم کے جن صفحات پر یہ پوسٹ کارڈز چسپاں کئے گئے ہوں، کوشش کیجئے کہ وہیں پر ان پوسٹ کارڈز کے بارے میں اہم معلومات بھی درج کردیں۔ یہ معلومات آپ کو اکثر انہی کارڈز کی پشت پر سے حاصل ہوجائیں گی۔ یہ معلومات ایک علیحدہ لیبل پر لکھ کر چسپاں کریں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھ دیں کہ یہ کارڈز آپ کو کس تاریخ کو کہاں سے اور کس کے ذریعہ سے ملا ہے۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو اور آپ اپنے مجموعے کو زیادہ اہمیت کا حامل بنانا چاہتے ہوں تو اس کارڈ پر چھپی ہوئی چیز کے بارے میں کسی حوالہ جاتی کتاب یا انسائیکلوپیڈیا سے مزید معلومات حاصل کرکے انہیں بھی اس کارڈ کے ہمراہ چسپاں کردیں۔ اس طرح آپ کی البم جلد ہی اپنے موضوع کی ایک دلچسپ انسائیکلوپیڈیا بن جائے گی۔

مرغِ باد نُما

ہمارے ہاں گھروں کی چھتوں پر مرغِ باد نما لگانے کا رواج تو کبھی نہیں رہا، البتہ ایک زمانہ تھا جب یورپ میں یہ [illegible] دیوانگی کی حدوں کو چھُونے لگا تھا۔ ایک عام خیال کے مطابق عمارتوں کی چھتوں پر مرغِ باد نما لگانے کا رواج پندرہویں صدی سے شروع ہوا اور سولہویں اور سترہویں صدی میں جزوِ لازم کی حیثیت اختیار کرگیا۔ ابتداً، باد نما فولاد یا پیتل کی گینڈ سے بنائے جاتے تھے۔ باد نما قوت کے نشان اُڑنے بھنِسے، دولت کے محافظ، بردار اژدھے یا بُری روحوں کو بھگانے اور نویدِ سحر سُنانے والے مرغے کی شکل میں ڈھالے جاتے تھے۔

تابع فرمان

کلاس میں اُستاد ہر ہفتہ کسی بھی موضوع پر طلبہ سے مضمون لکھوایا کرتا تھا۔ ایک روز اُستاد نے لڑکوں سے کہا "سب لڑکے کاغذ اور قلم سنبھال لیں اور فٹ بال کے میچ پر ایک مضمون تحریر کریں۔" سب طلبہ فوراً اپنی اپنی کاپیوں پر جُھک کر لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ پندرہ منٹ بعد اُستاد نے گھنٹی بجا کر وقت ختم ہونے کا اعلان کیا۔ سب لڑکے اپنی اپنی کاپیاں جمع کرانے لگے، ایک لڑکے نے جو سارا وقت خالی بیٹھا قلم چباتا رہا تھا، آخر میں جلدی جلدی کاپی پر ایک سطر لکھی اور اُستاد کے حوالے کردی، لکھا "موسم کی خرابی

خوش لباس کتیا

یہ کیسی عجیب دُنیا ہے جس میں کہیں تو کھانے کے لیے ایک وقت کی روٹی بھی دستیاب نہیں ہے اور کہیں خوشحالی کا یہ عالم ہے کہ ایک کتیا کے پاس پہننے کے لیے ڈیڑھ سو سے زائد کپڑوں کے جوڑے موجود ہیں ۔ اس میں بھلا کتیا بے چاری کا کیا قصور ؟ ۔ اُسے تو اس کی مالکہ نے جو پہنایا، اُس نے پہن لیا ۔ لیکن کتیا کی عادتیں اس قدر خراب ہو گئی ہیں کہ کوئی اس کے کپڑے اُس کی مرضی کے مطابق تبدیل نہ کرے تو وہ خود ہی اپنے وارڈ روب میں جا پہنچتی ہے اور پسند کے کپڑوں پر مُنہ مارنے لگتی ہے ۔ اس امریکن کتیا کا نام "پرکی" ہے ، جسے اس کی مالکہ بہت زیادہ پیار کرتی ہے ۔

۳ پاؤنڈ وزنی اس کتیا کو دُنیا کی سب سے زیادہ خوش لباس کتیا قرار دیا گیا ہے ۔ اس کے پاس جو ڈیڑھ سو قیمتی ملبُوسات ہیں ، جس میں شام کا ریشمی گاؤن ، پارٹی ڈریسز ، فر کے کوٹ ، جیکٹس ، ٹی شرٹس ، بوشرٹس اور سویٹ شرٹس کے علاوہ انواع و اقسام کی ٹوپیاں بھی ہیں ۔

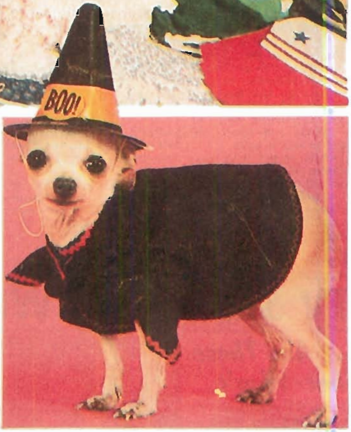

کوئِس®

مصنوعات بنانے والے پیش کرتے ہیں

- **کوئِس مشروبات :**
مشروبِ کوئِس کے اضافے کے ساتھ اب
چھ مختلف مزیدار ذائقے ۔
مشروبِ کوئِس، آئسکریم، اناس، سنترہ،
ویمٹو اور لیمن ۔

- **کوئِس اچار :**
مینگو اور مِکس ۔ لذیذ، چٹ پٹے، مزیدار ۔

- **کوئِس فیرنی مِکس :**
زعفرانی اور سادہ ۔
ایک لیٹر ابلتے ہوئے دودھ میں ایک پیکٹ
فیرنی مِکس ملا کر پانچ منٹ سے دس منٹ
تک پکائیں ۔ فیرنی تیار ۔

- **کوئِس کسٹرڈ پاؤڈر :**
تین مزیدار ذائقے ۔ آپکے ذوق کے عین مطابق

انڈس فروٹ جوس کمپنی

پوسٹ بکس 8026، کراچی ۔ 29، پاکستان ۔ فون : 438869-440361

عظیم سرور

رومی بھیس بدلتا ہے

شامت

قسط نمبر ۱۲

رومی بچوں کی ایک فلم دیکھنے کے لئے گھر سے نکلا۔ ایک شخص نے ایک کار سے اتر کر تیزی سے ایک رومال اس کی ناک پر رکھا۔ رومی کا سر چکرانے لگا۔ اسے ہوش آیا تو وہ ایک کمرے میں قید تھا۔ تھوڑی دیر میں اسے کمرے سے نکال کر ایک بڑے سجے سجائے کمرے میں لے جایا گیا۔ ایک تخت پر ایک موٹا سا شخص بیٹھا تھا۔ سب اس شخص کو گرو کہہ رہے تھے۔ رومی کو کسی سیٹھ رفیق کے بیٹے کے دھوکے میں پکڑ کر لایا گیا تھا۔ رومی نے بتایا کہ وہ سیٹھ رفیق کا بیٹا نہیں ہے۔ سیٹھ رفیق کے بیٹے کی تصویر منگوائی گئی تو پتہ چلا کہ موٹے گرو کے آدمیوں نے غلطی کی تھی۔ موٹے گرو نے سیٹھ رفیق کے بیٹے کو پکڑنے کے لئے کہا اور رومی کے بارے میں کہا کہ اسے بھی ختم کر دو کیونکہ اس نے ہم لوگوں کو دیکھ لیا ہے۔ رومی کو کمرے میں بند کرتے وقت وہ شخص کلورو فارم کی شیشی کمرے میں چھوڑ گیا۔ اس شیشی کو لے کر رومی آئندہ لمحوں کا انتظار کرنے لگا۔ ایک شخص کھانا لے کر آیا تو رومی نے اسے بیہوش کیا اور پھر وہاں سے نکل کر موٹے گرو کے کمرے سے چابیاں نکال کر بنگلے سے باہر پہنچ گیا۔ باہر نکل کر اس نے رکشہ روکا اسے اپنے محلے کا

پتہ بتایا۔ رشی تیزی سے اس کے گھر کی طرف دوڑنے لگا۔ لیکن اس سے زیادہ تیزی سے رومی کا دماغ دوڑ رہا تھا۔

رومی گھر پہنچا تو اس کی امی نے خوشی سے گلے لپٹا لیا۔ محلّے کی عورتیں بھی جمع ہو گئیں۔ ابو رومی کی تلاش میں باہر گئے ہوئے تھے وہ رات دیر سے واپس لوٹے رومی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رومی نے پورا قصہ بیان کیا پھر ان لوگوں نے اسی وقت سیٹھ رفیق کا نمبر ڈائرکٹری میں تلاش کرکے انہیں تفصیلات بتا کر کہا کہ اپنے بیٹے کی حفاظت کریں۔ آپ کا کوئی دشمن آپ کے لڑکے کو اغوا کرنا چاہتا ہے۔ سیٹھ رفیق اپنی کار میں رومی کے گھر آئے۔ رومی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور رومی اور اس کے ابو کے ساتھ پولیس اسٹیشن اس واقعہ کی رپورٹ لکھانے چلے گئے۔ کیس کی اہمیت کے پیش نظر انسپکٹر صاحب کو بلایا گیا۔ رومی نے پورا واقعہ بیان کیا۔ سیٹھ رفیق کو بھی اس درمیان اپنے دشمن کا اندازہ ہو گیا۔ تین چار ماہ قبل ایک موٹا آدمی دو تین آدمیوں کے ساتھ ان سے اپنی اسمگلنگ کی گھڑیاں بیچنے آیا تھا۔ جسے آدمی قیمت پر بھی سیٹھ رفیق نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ وہ اس گستاخی کا بدلہ لے گا۔ اسسٹنٹ انسپکٹر نے بھی فائل دیکھ کر یہی بتایا کہ وہ بہت بڑا اسمگلر ہے اور یہ محکمہ تو اس کی تلاش میں ہے۔ انسپکٹر صاحب اسی وقت ان سب کو ایک جیپ میں بٹھا کر اس بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک ٹرک پر پولیس ساتھ تھی۔ پولیس نے بنگلے کو گھیر لیا۔ انسپکٹر صاحب جب بنگلے کے اندر داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ بنگلہ خالی ہے۔ اسمگلر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان لوگوں نے بنگلے کے مالک چوہدری برکت علی کا پتہ چلا کر اس سے اس کے کرایہ دار کے بارے میں معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نئے کرایہ دار ہیں اور ان کے بارے میں اُسے کچھ پتہ نہیں۔ انسپکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ اسمگلر تھے اور اب بھاگ چکے ہیں تو چوہدری صاحب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پولیس نے کافی بھاگ دوڑ کی مگر موٹے گرو کا کچھ پتہ نہ چلا۔ سیٹھ رفیق نے خوف سے اپنے بیٹے فرید کو گھر میں بند کر رکھا تھا۔ رومی بھی کافی احتیاط برتتا تھا۔ ایک دن رومی بازار میں جا رہا تھا کہ اسے موٹے گرو کا ایک آدمی نظر آ گیا۔ رومی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ شخص ہوٹل کے ایک کیبن میں جا کر بیٹھا تھا۔ رومی پہلے تو باہر کھڑا دیکھتا رہا پھر وہ ساتھ والے کیبن میں جا کر بیٹھا دوسری طرف کی آواز سننے کے لئے بے چین تھا تھوڑی دیر میں ایک دوسرا آدمی اس شخص سے ملنے آیا، وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ تم اکبر کو اطلاع دو کہ وہ کل صبح گیارہ بجے گا۔۔ن گارڈن میں ایک آدمی سے ملے اور وہ جو حکم دے اس پر عمل کرے اس آدمی کی پہچان یہ ہوگی کہ وہ کالا رومال بائیں جانب کی پتلون کی جیب سے بار بار نکال کر اپنے چہرے پر پھیرے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ گرو کا یہ حکم اُسے ایک آدمی کے توسط سے ملا ہے۔ اور یہ کہ گرو خود کسی کے سامنے نہیں آتا۔ پہلا آدمی گرو کے ٹھاٹ باٹ پر بڑا رشک کر رہا تھا۔ دوسرے شخص نے اسے خرچ کے لئے روپے بھی نکال کر دیئے۔ اسی دوران رومی جلدی سے نکل کر باہر گیا تاکہ وہ اس کا چہرہ دیکھ سکے۔ پہلے تو وہی آدمی نکلا جس کا وہ تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔ دوسرا لمبا تڑنگا شخص تھا۔ جس نے رومی کو ختم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ دونوں باہر نکل کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر علیحدہ ہو گئے۔ رومی نے سوچا کہ تعاقب کرنا فضول ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دینی چاہئے۔

پولیس انسپکٹر نے کہا مشکل تو یہ ہے کہ اس گروہ کے کسی آدمی کو پوری بات معلوم نہیں ہم اگر ان کے کسی آدمی کو گرفتار بھی کر لیں تو وہ ہمیں کوئی بات نہیں بتا سکتا۔ انسپکٹر نے کہا کہ مجھے مجرموں کے گرو کو پکڑنے کے لئے رومی کی مدد کی ضرورت ہے۔ رومی نے انسپکٹر سے کہا کہ وہ اس کام کے لئے بالکل تیار ہے۔ دوسرے دن صبح انسپکٹر نے رومی کو اس کا کام سمجھایا۔ رومی ایک پالش والے کے بھیس میں گاندھی گارڈن میں داخل ہوا۔ رومی پالش کرانے والوں کو کسی نہ کسی طرح ٹالتا رہا۔ اُس کو کالے رومال والا شخص نظر نہیں آیا تھا کہ اچانک اُس نے دیکھا کہ فوارے کے پاس ایک آدمی نے اپنی پتلون کی بائیں جیب سے کالا رومال نکالا اور چہرے پر پھیر کر پسینہ پونچھنے لگا۔ رومی کے دل کی کلی کھل گئی

وہ بڑی ہوشیاری سے اس آدمی کی حرکتیں دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ٹھگنا سا آدمی اس کی طرف بڑھا۔ رومی کو پتہ چل گیا کہ چھوٹے قد والا یہ آدمی اکبر ہے۔ رومی نے اپنی صندوقچی اٹھائی اور برش کو لہراتا ہوا بوٹ پالش کی آواز لگانے لگا اور ان دونوں آدمیوں کے پاس پہنچ کر پالش کرنے کے لئے کہنے لگا۔ آخر کار چھوٹے قد والا آدمی پالش کروانے پر تیار ہو گیا۔ رومی دونوں آدمیوں کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھ گیا کہ ان کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔ مونچھوں والے آدمی نے چھوٹے قد والے کو بتایا کہ کل تم کو ریل کا سفر کرنا ہے تم حیدرآباد کا ٹکٹ خرید کر کراچی ایکسپریس میں سوار ہو جاؤ گے راستے میں جس اسٹیشن پر بھی تم کو نیلی پگڑی والا آدمی کالے رومال سے چہرہ صاف کرتا ملے گا۔ تم وہیں اُتر جانا۔ پھر اُس نے اشارہ بتایا۔ اس آدمی کے پاس ایک صندوق ہوگا تم گاڑی سے اُتر کر اس آدمی کے ساتھ ۔ری پلیٹ فارم پر بیٹھ جانا پھر واپس کراچی آنے والی گاڑی میں اس کے ساتھ سوار ہو جانا اگلے اسٹیشن پر وہ اُتر جائے گا۔ ۔س کے بعد تم کو صندوق کراچی لانا ہوگا۔ پھر چھوٹے قد والے آدمی نے اُس سے پیسے مانگے اتنے میں رومی نے بھی اپنا کام ختم کر لیا تھا۔ چھوٹے قد والے آدمی نے رومی سے دو۔۔ جوتا پہنانے کو کہا رومی نے انکار کر دیا اُس نے رومی کو پیسے دینے سے انکار کر دیا۔ رومی نے کہا کہ ہم پیسے کا لالچی نہیں ہے اور یہ کہہ کر پالش کی ڈبیہ اور برش سنبھال کر آگے بڑھ گیا

رومی جب گھر میں داخل ہوا تو اس کی امی نے اُس کو بالکل ہی نہیں پہچانا۔ رومی نہا دھو کر دوبارہ پولیس اسٹیشن پہنچا انسپکٹر صاحب رومی کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے رومی کی تعریف کی رومی نے سارا قصّہ انسپکٹر صاحب کو سنایا۔ انسپکٹر صاحب نے رومی کو گھر بھیجا اور شام کو اس سے ملنے آئے انہوں نے بتایا کہ وہ چھوٹے قد والے اکبر کے گھر کا پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئے ہیں لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ انسپکٹر صاحب نے رومی کے ابا سے کہا کہ آپ رومی کو ایک بہت بڑی مہم پر جانے کی اجازت دیجئے.. رومی کے ابا نے اجازت دیدی۔ انسپکٹر صاحب نے بتایا کہ رومی کراچی ایکسپریس میں سفر کرے گا جس اسٹیشن پر اکبر اترے اس پر یہ بھی اتر جائے گا۔ انسپکٹر صاحب نے رومی کو دوسرے دن صبح بلایا۔

رومی دوسرے دن انسپکٹر صاحب کے ساتھ پلیٹ فارم پر چلا جا رہا تھا اس نے خاکی رنگ کی میلی سی نیکر اور سفید قمیض پہن رکھی تھی اس کا حلیہ ٹھنڈی بوتلیں بیچنے والوں جیسا تھا انسپکٹر صاحب نے رومی کو ٹھیکیدار کے حوالے کیا۔ رومی کی دوسرے سوڈا لیمن بیچنے والے لڑکوں سے ایک جھڑپ بھی ہوئی گاڑی چلنے والی تھی رومی آخری ڈبے میں گھس گیا۔ اور سوڈا لیمن برف کی آواز لگائی رومی کے ساتھ سادہ لباس میں پولیس والے بھی تھے۔

آخری ڈبے میں چھوٹے قد والا اکبر نہیں تھا اسی طرح تلاش کرتے کرتے رومی کو ایک ڈبے میں اکبر مل گیا وہ اسی ڈبے میں بیٹھ گیا۔ رومی نے باہر جھانک کر دیکھا جنگ شاہی کے اسٹیشن پر ایک دیہاتی نیلی پگڑی پہنے ہوئے ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا پاس ہی ایک کالے رنگ کا پرانا سا صندوق تھا اس دیہاتی نے جیب سے کالا رومال نکالا اور چہرے پر پھیرنے لگا رومی جلدی سے نیچے اتر گیا اور اکبر سے پہلے دیہاتی کے پاس ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ اکبر دیہاتی کے قریب سے گذرا اور اس نے اپنے آپ سے بات کرنے کے انداز میں کہا گرُوا پروا۔ دیہاتی نے کالا رومال اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا مالم پُروا۔

اکبر اور دیہاتی آپس میں باتیں کرنے لگے۔ رومی پہلے سے سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ پھر اپنا منہ ٹیڑھا کر کے گانا گانے لگا۔ اکبر نے اُس کو بھگانا چاہا۔ لیکن رومی نے گڑگڑا کر درخواست کی دیہاتی کو رحم آگیا۔ اُس نے اس کو وہیں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔ پھر اکبر نے رومی سے بوتل مانگی۔ رومی نے دو بوتلیں نکال کر دیں اور ان کی باتیں غور سے سننے لگا۔ وہ گروہ کے دو صندوق کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ اکبر نے دیہاتی کو پیسے دیئے اور دیہاتی نے اکبر کو اپنا کراچی تک کا ٹکٹ دیا

پھر کراچی جانے والی گاڑی میں دیہاتی اور اکبر بیٹھ گئے۔ رومی کو دوسرے ڈبے میں جگہ ملی پھر وہ پانی والے ڈبے میں بیٹھ گیا۔ لڑکوں نے اُس کا مذاق اڑایا۔ اور کہتے رہے کہ آنے دے بیٹا کراچی آنے دے اور رومی بھی دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کراچی میں کیا ہوتا ہے۔ دیکھ لیں گے۔

گاڑی کراچی ریلوے اسٹیشن کی حدود میں داخل ہو گئی تھی رومی کی نگاہیں انسپکٹر صاحب کو تلاش کر رہی تھیں وہ بوتلوں کا کریٹ چھوڑ کر بھاگا۔ انسپکٹر صاحب کی طرف پہنچا تو انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی رومی بات سمجھ گیا اور وہ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر دوسری طرف منہ کر کے سارا قصہ سنانے لگا۔ رومی نے اکبر کو دیکھا کہ وہ صندوق پلیٹ فارم پر رکھ کر ادھر اُدھر دیکھ رہا ہے انسپکٹر صاحب سے رومی نے کہا یہی آدمی ہے اسے گرفتار کر لیجئے انسپکٹر صاحب نے کہا کہ اصل مجرم تو ان کا گروہ ہے۔ تم اکبر کے ساتھ رہو جب اس کو نیلی کار والا آدمی لینے آئے تو تم اس کے ساتھ رہو۔ رومی نے دیکھا کہ اکبر مسکراتا ہوا قلی کے سر پر صندوق رکھوا رہا ہے اور اسٹیشن سے باہر نکل رہا ہے۔ رومی کو اس کی مسکراہٹ زہر لگی اس نے دل میں سوچا پورے گروہ کے ساتھ جب یہ جیل کی ہوا کھائے گا پھر اس سے کہوں گا۔ ذرا اب ہنس کے دکھا۔

ریلوے اسٹیشن کے باہر بہت ساری کاریں ٹیکسیاں اور رکشے ایک قطار میں کھڑے تھے رومی کو نیلے رنگ کی کار کی تلاش تھی لیکن باہر ایک کے بجائے تین نیلی کاریں تھیں۔ اکبر بھی دیکھ کر پریشان تھا دو کاروں کے جانے کے بعد اکبر ایک نیلی کار کے پاس پہنچ گیا اور رومی بھی منت سماجت کر کے اکبر کے ساتھ ہی بیٹھ گیا رومی نے اکبر کا سارا پلان، غور سے سنا اور بظاہر لاپرواہی سے گانا گاتا رہا کار نے اس کو ایمپریس مارکیٹ کے پاس اتار دیا پھر تھوڑی دیر میں انسپکٹر صاحب اپنی کار سے آگئے رومی نے کہا کہ وہ گھر سے کھانا کھانے کے بعد پولیس اسٹیشن آکر سارے واقعات بتائے گا۔

رومی گھر پہنچا تو امی ابّو کو اپنا منتظر پایا۔ امی تو رومی سے لپٹ گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں...

"ضرور کوئی بات ہے..." رومی نے سوچا کیونکہ امی اس سے پہلے تو کبھی اتنی بے حوصلہ نہیں ہوئی تھیں۔

کیا بات ہے امی؟ آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں، میں تو بالکل ٹھیک ہوں، دیکھیئے مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا...

رومی بے چین تھا اور امی ابّو کی پریشانی کی وجہ جاننا چاہتا تھا... ابّو نے رومی کو اپنے قریب بٹھایا اور پیار سے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"دیکھو بیٹا اب تم یہ سُراغ رسانی کا شوق ترک کردو اور گھر ہی پر رہا کرو۔

"مگر کیوں ابّو؟ آپ نے خود ہی تو مجھے اجازت دی تھی۔۔ اور اب آپ خود ہی۔۔۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو بیٹا۔۔۔ مگر میں کیا کروں حالات بہت سنگین ہو گئے ہیں اور ہمیں ہر وقت تمھاری فکر لگی رہتی ہے خدانخواستہ تمھیں کچھ ہو گیا تو ہم تو جیتے جی مر جائیں گے۔"

ایسا نہ کہیئے ابّو۔۔ اللہ اپنا کرم کرے گا۔۔ اور پھر ہم لوگ تو نیکی کے کام میں تعاون کر رہے ہیں۔۔۔ رومی کی گفتگو میں بڑوں کی سی سنجیدگی اور متانت محسوس ہو رہی تھی۔ بات یہ ہے بیٹا! ابّو نے راز داری سے کہا

"سیٹھ رفیق کا بیٹا اغوا ہو چکا ہے"۔۔۔۔۔ "سیٹھ رفیق کا بیٹا اغوا ہو چکا ہے" رومی کے منہ سے بے اختیار نکلا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے زمین اس کے پیروں تلے سے نکل گئی ہو۔ جس لڑکے کو بچانے کے لیے اب تک اتنے جتن کیئے تھے۔۔ وہ اغوا ہو گیا۔۔۔ "سیٹھ رفیق کا لڑکا اسمگلروں کو تمھارے متعلق بھی بہت کچھ بتا سکتا ہے کیونکہ وہ تمھاری موجودہ سرگرمیوں سے بے خبر نہیں ہے"۔ یہ بات کہتے ہوئے ابّو اپنی پریشانی اور خوف کو چھپا نہیں سکے۔

"ابّو آپ حوصلہ کیجیے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہوگا۔۔ رومی نے ابّو کو بتایا کہ اس بار وہ اتنی اہم معلومات لے کر آیا ہے کہ تخریب کاروں کا پکڑا جانا یقینی ہے۔ رومی نے ریل کے سفر کی ساری تفصیلات ابّو کو بتائیں اور فوراً پولیس اسٹیشن چلنے کے لیئے کہا۔۔۔

امّی دسترخوان پر کھانا لگا چکی تھیں، لیکن رومی کی بھوک تو اُڑ چکی تھی۔۔ امّی اور ابّو کے اصرار کے باوجود رومی نے اچھی طرح کھانا نہیں کھایا بس چند لقمے زبردستی لیئے اور ابّو کے ساتھ پولیس اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

"جی انسپکٹر صاحب پولیس پارٹی کے ساتھ شہر سے باہر کہیں گئے ہوئے ہیں اور کل واپس آئیں گے"۔ پولیس اسٹیشن میں موجود ایک جمعدار نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔۔۔

بھئی ہمیں بہت ضروری کام ہے۔۔ کسی طرح ہمیں اُن سے ملوا دیں۔

"میں نے کہہ دیا نا کہ اُن سے ملاقات نہیں ہو سکتی۔۔۔ وہ کسی اغوا کیس کے سلسلے میں بہت دُور گئے ہوئے ہیں اور کل تک ان کی واپسی کا کوئی امکان نہیں۔"

رومی اور اُن کے ابّو کے بار بار سمجھانے کے باوجود جمعدار صاحب کے کان پر جُوں نہ رینگی اور انھوں نے اُن کی سُنی ان سنی کر دی۔۔۔ تھانے میں کوئی ذمّہ دار افسر نہ تھا جو ان کی بات سنتا اور ان کی مدد کرتا۔

رومی کے ابّو نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے پولیس کے دیگر افسران سے بھی رابطے کی کوشش کی مگر کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکا۔ ایک روز قبل شہر میں مختلف جگہوں پر دھماکے ہوئے تھے جن میں کافی لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ شہر بھر کی پولیس دھماکوں میں ملوث تخریب کاروں کی تلاش میں سرگرداں تھی۔۔۔

جو چند ایک افسر ملے بھی، انھوں نے رومی کی بات سننے کے باوجود اُسے کوئی اہمیت نہ دی۔۔۔ اور انھیں کسی نہ کسی بہانے ٹالتے رہے۔۔۔

رومی اور اُس کے ابّو گھر واپس آ گئے۔۔ انھیں انسپکٹر کے نہ ملنے کا مَلال تھا۔۔ یہ لوگ اس لیے بھی پریشان تھے کہ اگر آنے والی کل فریئر گارڈن میں اسمگلر گروپ کے دو لوگوں کو نہ پکڑا گیا تو یہ موقع ہاتھ سے نکل جائے گا اور پھر ان کی گرفتاری ناممکن ہو جائے گی۔۔۔ سیٹھ رفیق کے بیٹے کے اغوا کے بعد تو ان کی گرفتاری اور بھی ضروری ہو گئی تھی۔

رومی نے رات کروٹیں لیتے ہوئے شدید بے چینی میں گزاری، صبح ہوئی تو ابّو کے ساتھ ایک بار پھر پولیس اسٹیشن گیا مگر انسپکٹر صاحب کو نہ ملنا تھا نہ ملے۔

رومی ابّو کے ساتھ گھر واپس آ گیا۔ ابّو نے بھی رومی کو سختی سے منع کر دیا کہ اب کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر میں بیٹھے رہو اور ہماری اجازت کے بغیر گھر سے قدم باہر نہ رکھنا"۔۔ ابو رومی کو گھر سے نہ نکلنے کی ہدایت کر کے دفتر چلے گئے اور امی گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ رومی اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔۔۔ وہ کبھی لیٹ جاتا کبھی کھڑا ہو جاتا۔ کبھی اِدھر اُدھر چلنے لگتا اور کبھی مٹھیاں بھینچنے لگتا۔۔۔ صاف ظاہر تھا وہ بے چین ہے اور فوری طور پر فریئر گارڈن پہنچ کر مجرموں کو پکڑوانا چاہتا ہے۔۔۔

رومی کی نظر وال کلاک پر پڑی تو دس بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ وہ لوگ ٹھیک ایک گھنٹہ چالیس منٹ بعد فریئر گارڈن میں پہنچیں گے۔ لیکن۔۔۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔۔۔ انسپکٹر صاحب موجود نہیں ہیں۔۔۔ پولیس مدد نہیں کر رہی۔۔۔ وقت کم ہے اور کام بہت اہم۔۔۔ جس تیزی سے وقت گزر رہا تھا اُس سے کہیں زیادہ تیزی سے رومی کا دماغ کام کر رہا تھا۔۔۔

اچانک رومی کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔۔۔ گویا اُس نے کوئی منصوبہ تیار کر لیا تھا۔۔۔ اور اس منصوبے پر عمل کا وقت بھی آ پہنچا تھا۔۔۔

رومی باورچی خانے میں امّی کے پاس گیا اور کہنے لگا "امّی میں توقیر کے گھر جا رہا ہوں۔۔۔ آج ہم نے مِل کر پڑھنے کا پروگرام بنایا ہے۔۔۔!!

امّی کو رومی کی بات پر کچھ شک تو گزرا مگر اس کی بار بار کی یقین دہانیوں پر انھیں اعتبار کرنا پڑا۔۔۔ رومی اپنے کلاس فیلو توقیر کے گھر کی طرف چل دیا جو رومی کے گھر سے زیادہ دُور نہیں تھا۔

توقیر گلی میں دوسرے بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتے ہوئے نظر آ گیا، رومی نے اُسے اشارے سے بلایا اور ایک طرف لے جا کر ساری بات بتا دی۔۔

"توقیر تم میری مدد کے لیے تیار ہو... پلیز توقیر میرا ساتھ دو۔ ہم لوگ ایک اہم کام کر کے دکھائیں گے جس سے ہمارے دوست اور ماں باپ بھی خوش ہوں گے اور اللہ بھی خوش ہوگا..."

توقیر کچھ ہچکچایا مگر جلد ہی رومی کے ساتھ چلنے پر رضامند ہو گیا... توقیر بھاگا ہوا گھر گیا... نہ جانے امی سے کیا بہانہ کیا... کچھ پیسے لیے اور رومی کے ساتھ ہو لیا۔ گیارہ بج کر پانچ منٹ ہو گئے۔ ٹھیک ۵۵ منٹ بعد فریئر گارڈن میں اسمگلرز کے گروہ کے دو اہم افراد نے ملنا تھا... مگر یار... فریئر گارڈن تو پرانا نام ہے اب تو اُسے باغ جناح کہتے ہیں...۔ توقیر نے کہا۔

"ہوگا نام باغ جناح... میں نے تو جو اُن کے منہ سے سُنا وہی بتا دیا"۔ رومی نے جواب دیا' اِدھر اُدھر دیکھنے لگا... انھیں رکشے کی تلاش تھی... اور رکشہ تھا کہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا... گھڑی گیارہ بج کر بیس منٹ بجا رہی تھی۔ رومی کی پریشانی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھی... باغ جناح پہنچنے سے قبل رومی ایک بار پولیس اسٹیشن بھی جانا چاہتا تھا۔ تاکہ انسپکٹر صاحب سے ملنے کے آخری موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے...

خدا خدا کر کے ایک رکشہ نظر آیا... رومی نے ہاتھ دیا۔ کدھر جانا ہے... رکشے والے نے ایک شانِ بے نیازی سے پوچھا۔" باغِ جناح جائیں گے ہم لوگ"۔ توقیر نے کہا۔

"یہ باغ کدھر ہے...؟" رکشے والے نے انکوائری کی

"یہ ہوٹل ہالیڈے اِن کے سامنے ہے..."

"ہم اُدھر نہیں جائے گا..." رکشے والے نے ان کے ارمانوں پہ گویا پانی پھیر دیا۔

رومی نے توقیر کو اشارہ کیا..." دونوں اُچک کر رکشے پہ بیٹھ گئے اور کہنے لگے دو روپے پانچ روپے جو بولو گے دے دیں گے مگر جلدی چلو ہمیں ضروری کام ہے"... رکشے والا بڑبڑاتا ہوا چل دیا۔ رکشہ کچھوے کی رفتار سے چل رہا تھا اور رومی کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں... بھائی تم تیز نہیں چل سکتے... رومی چلایا...

" ایکسیڈنٹ کروائے گا کیا...؟" رکشہ والے نے پلٹ کر جواب دیا۔

" رومی نے کہا... معاف کر دو بابا ہم سے غلطی ہوئی... اب یہ کرو کہ باغ جناح سے پہلے پریڈی اسٹریٹ تھانے کی طرف چلو... صرف ایک منٹ کے لیے رُکنا ہے وہاں..."

تھانے کا نام سُن کر رکشے والے نے ان دونوں کو غور سے دیکھا اور رکشے کی رفتار قدرے بڑھا دی۔ ایک دو جھٹکوں کے ساتھ رکشہ تھانے کے سامنے رُکا تو رومی بھاگتا ہوا تھانے میں داخل ہوا...

" انسپکٹر صاحب آ گئے..." رومی نے اُسی جمعدار سے پوچھا جو شکل سے خاصا بیزار نظر آ رہا تھا... جمعدار نے

کہا انسپکٹر صاحب آتے ہی ہوں گے ان کا ابھی ابھی فون آیا تھا . . .

رومی نے جلدی جلدی ایک کاغذ پر انسپکٹر صاحب کے نام ایک پیغام لکھا ... ہم لوگ فریئر گارڈن جا رہے ہیں... ٹھیک بارہ بجے گارڈن کے جنوب میں پام کے درخت کے نیچے دو اسمگلر ملیں گے ... ہم زیادہ سے زیادہ ان کا پیچھا کر سکتے ہیں ... پلیز انسپکٹر صاحب جلدی آجائیں ۔ (رومی)

رومی نے یہ پیغام جمعدار کو دیا اور خود رکشے میں بیٹھ کر باغ جناح کی طرف روانہ ہو گیا ۔ رومی نے باغ جناح سے ذرا پہلے ہی رکشہ رکوالیا ... گھڑی دیکھی تو گیارہ بج کر پچپن منٹ ہو چکے تھے . . .

رومی اور توقیر نے آہستہ آہستہ فریئر گارڈن کے جنوبی کونے کی طرف چلنا شروع کر دیا ۔ ۔

اپنے دائیں بائیں اور پیچھے کے ماحول سے بے خبر آگے بڑھ رہے تھے ... اچانک پیچھے کی جانب سے ایک زوردار تھپڑ رومی کے چہرے پر پڑا ... رومی چکرا گیا . . .

(بقیہ آئندہ)

مِسن مصوّر

آپ نے سالنامے میں ایک صاحب کے بارے میں پڑھا ہوگا جو پن کے سر پر مصوری کرتے ہیں لیکن ہمارے ملک پاکستان میں بھی ایسے فنکاروں کی کمی نہیں تاندلیانوالہ کے رہنے والے ننھے ساجد مرزا نے بہت محنت سے چاول کے دانے پر کلمہ طیبہ لکھا ہے ۔ اور چنے کے دانے پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق ، وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور وزیر اعلیٰ پنجاب میاں نواز شریف کی تصاویر بنائی ہیں ان کا کہنا ہے انہیں چنے کے دانے پر ان حضرات کی تصویر بنانے کی مہارت ہے ان کی خواہش ہے کہ یہ صدر مملکت سے مل کر انہیں چنے پر بنی ان کی تصویر پیش کریں آپ کو یقین نہ آئے تو تاندلیانوالہ فون نمبر ۱۷۵ پر فون کر کے پوچھ لیں ۔

ماھانہ مقابلۂ معلومات

ام رباب جعفری

دائرۂ معلومات

ہر سوال کا جواب ذیل میں دیئے گئے ۴ اشاروں کی مدد سے دینا ہوگا۔ آپ کی سہولت کے لیئے ہم نے ہر سوال کے درست جواب کو دائرہ ہی میں کہیں لکھ دیا ہے اور کچھ اضافی نام بھی ساتھ ہی لکھ دیئے ہیں، جن کا سوال سے کوئی تعلق نہیں۔ مقابلے میں شرکت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دائرے میں اپنے مطلوبہ جواب بر سوال نمبر لکھ دیں۔ اور اصل دائرہ کاٹ کر ۲۰ اگست تک ہمیں بھجوا دیں، دائرے کے بغیر جواب قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔

انبیائے کرام	① انجیل	② ۲۵ دسمبر	③ حواری	④ بیت اللحم
صحابۂ کرام	① خالد بن زید	② مسجد نبوی ؐ	③ میزبان رسول اللہ	④ قسطنطنیہ
تاریخ اسلام	① ہسپانیہ	② راڈرک	③ ۷۱۱ء	④ کشتیاں
تاریخ پاک و ہند	① فرید خاں	② ہمایوں	③ سڑک	④ سہسرام
تحریکِ پاکستان	① ۱۸۷۸ء	② رام پور	③ کامریڈ	④ بیت المقدس
پاکستان کی عظیم شخصیات	① ۱۹۳۴ء	② بھوپال	③ جوہری توانائی	④ کہوٹہ
پاکستان کے شہر	① قلعہ	② مسجد	③ مینار	④ باغ
عالمِ اسلام شخصیات	① مصر	② کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ	③ نوبل انعام	④ ۱۹۸۱ء
عالمِ اسلام ممالک	① فرانس	② ۱۹۶۲ء	③ بن بیلا	④ بومدین
دنیا کے بڑے شہر	① جہانگیر آباد	② ململ	③ مسجدوں کا شہر	④ بیت المکرم
عالمی شخصیات ۱	① عوامی جمہوریہ چین	② ۱۸۹۳ء	③ کمیونسٹ پارٹی	④ ۱۹۷۶ء
عالمی شخصیات ۲	① برطانیہ	② امیر البحر	③ جنگ ٹریفالگر	④ ۱۸۰۵ء

	①	②	③	④
مشہور خواتین	نابینا	گراہم بیل	این سلی وان	۱۹۶۸ء
مسلم سائنسدان	۹۶۵ء	کتاب المناظر	اسوان بند	۱۰۴۳ء
سائنس کی دنیا	۱۸۷۹ء	نوبل انعام	نظریہ اضافیت	۱۹۵۵ء
مشہور کھلاڑی	کرکٹ	ڈاکٹر	انگلستان	ولیم گلبرٹ
عالمی ادب	۱۷۹۵ء	فینی بران	۱۸۲۱ء	تپ دق
اردو ادب	اعظم گڑھ	موازنہ انیس و دبیر	۱۹۱۴ء	سید سلیمان ندوی
علاقائی ادب	پشتو	عبدالرحمٰن	۱۷۰۸ء	حافظ شیرازی
فنون لطیفہ	فلم	کامیڈین	دی گریٹ ڈکٹیٹر	۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء

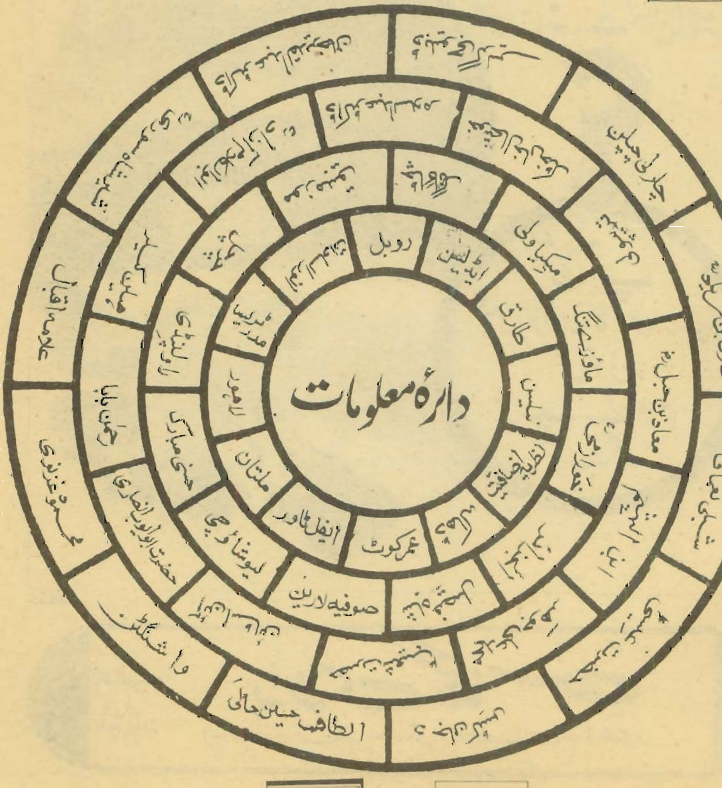

MASS

عطیہ
اشتہار
راوی گلاس
۱۔ دیال سنگھ مینشنز دی مال۔ لاہور

دائرہ معلومات ماہ جون ۸۷ء کے صحیح جوابات

① عبدالسلام ② ماوزے تنگ ③ گرین لینڈ ④ ڈالر ⑤ ریڈیم
⑥ محمد علی ⑦ یمامہ ⑧ ہیروشیما ⑨ ابو العباس سفاح ⑩ حنیف محمد
⑪ دمشق ⑫ قبرص ⑬ صالح ⑭ حج ⑮ جوش
⑯ شعب ابی طالب ⑰ بہادر یار جنگ ۱۸۔ گلیلیو ⑲ والٹ ڈزنی ⑳ ین

۳ خوش نصیب ساتھی جو بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حقدار پائے

- ـــــ عاصمہ گل، جہانگیر پورہ، پشاور شہر
- ـــــ رضوان رسول، گلستان کالونی، ساہیوال
- ـــــ مرزا فیصل سلیم، شاہ فیصل اسٹریٹ، ٹنڈو آدم

درست جوابات ارسال کرنے والے ذہین ساتھیوں کے نام اور تصاویر

کامران صدیقی	ولید یعقوب	جنید شریف	حبیب علی	عظمت علی شاہ
واٹر پمپ، کراچی	گڑھی شاہو، لاہور	پیر کالونی، کراچی	شیر شاہ، کراچی	فضل آباد، مردان

، عبدالماجد مغل، گھوٹگی۔	، عبداللہ ریاض، فریر روڈ، کراچی	، روح اللہ، پیپلز کالونی، فیصل آباد
، صباحت نذیر، نشتر روڈ، ملتان	، خرم حسین، ڈرگ کالونی، کراچی	، نعیم ابدالی، رنچھوڑ لائن، کراچی
، اسما خورشید، نارتھ ناظم آباد، کراچی	، سعد فیصل، سٹلائیٹ ٹاؤن، رحیم یار خان	، متاع الرحمٰن، آر جی ایکس فور، اسلام آباد
، ثاقب امام، لوکو شیڈ، روہڑی،	، نجم فرحت، امر پورہ، راولپنڈی	، وجیہہ اویس، تیلی کٹاریاں، راولپنڈی
، افتخار تیمور، شاہدرہ، لاہور	، عامر آفتاب احمد، سرگودھا	، شہزاد انور، ریلوے کالونی، راولپنڈی
، شکیل احمد، اوتھل، ضلع لسبیلہ	، شازیہ سرتاج، ایف بی ایریا، کراچی	، فاروق احمد، نزد حبیب بنک، لنڈی کوتل
، عبدالعزیز، کریانہ بازار، سکھر	، آصف آفتاب احمد، سرگودھا	، عطیہ ناز، دستگیر، کراچی

، جاوید حیدر، سٹیلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی ، شفیق الرحمٰن، حالی نگر حیدر آباد ، ندیم میمن، فقیر کا پڑ، حید رآباد
، ثنائستہ افسر، اسٹیڈیم روڈ پشاور ، عبدالباسط، میمن کالونی، کراچی ، محمد سعید عباس، کھوکھراپار، کراچی
، ضیا، آگرو، سول لائنز، حیدر آباد ، نذیر احمد، لاوہ، ضلع چکوال ، ہیبل صدیق، نعمانیہ روڈ، گوجرانوالہ
، عائشہ خدیجہ، ریور روڈ، جہلم کینٹ ، صباحت اکرام، ٹاؤن شپ، لاہور ، نیر توحید، شاہ جمال روڈ، شیخوپورہ
، سیّد علی یاسر، سٹلائیٹ ٹاؤن، میرپور خاص، جاوید اقبال ناز، اقبال نگر فیصل آباد ، تصویر زہرا، لیاقت روڈ، راولپنڈی
، شاہ کریم عطا، ، دستگیر، کراچی ، محمد ایّوب منظر، شاہدرہ، لاہور ، مسعود احمد، گلبرگ، کراچی
، سعد احمد، نارتھ ناظم آباد، کراچی ، فیصل فرید پراچہ، اچھرہ، لاہور ، عمر انصاری، لانڈھی، کراچی
، یوسف شہزاد، جی سکس فور، اسلام آباد ، عنصر نوید، گڑھی شاہو، لاہور ، فرزند نیر خان، گلشن اقبال، کراچی
، الیاس فاروقی، ملیر، کراچی ، ظہیر الٰہی بابر، ریلوے کالونی حیدر آباد ، معراج سعادت، لطیف آباد، حیدر آباد
، عابس حسین، شمالی ناظم آباد، کراچی ، شہناز پروین، کمہار واڑہ کراچی نوید اختر، گارڈن روڈ، کراچی

، ندیم اللہ قریشی، لطیف آباد، حیدر آباد ، کاشف سعادت، لطیف آباد، حیدر آباد ، ابوبکر القاسم، بدوکی گوسائیاں، گوجرانوالہ
، سعید احمد، شالیمار، اسلام آباد ، محمد رؤف آرائیں، کوٹ غلام محمد، سندھ ، اسمٰعیل عبدالرحمٰن، میٹھادر، کراچی
، روبینہ احمد، لیاقت آباد، کراچی ، سمیع الدین، محمود آباد، کراچی ، شمشیر شہاب الدین، رحیم آباد کراچی
، شگفتہ عبدالرحمٰن، میٹھادر، کراچی ، احمد محمود، سول کوارٹر، پشاور ، فیّاض لودھی، پھالیہ، ضلع گجرات
، دنود پردھانانی، نوکوٹ، سندھ ، افتخار الحسن، پھالیہ، ضلع گجرات ، مُبشّر احمد قادری، نارتھ کراچی
، مرغوب خان، آرائے بازار، راولپنڈی ، برکت عزیز علی، گلبہار، کراچی ، عبّاس علی، عزیز آباد، کراچی
، بہرام خان، لالہ زار، راولپنڈی ، مشتاق احمد، شاہی بازار، ٹنڈو آدم ، تجمّل الیاس، سمن آباد، لاہور
، سلطان بشیر، جی سکس فور، اسلام آباد ، سیّد محمد علی، دستگیر، حیدر آباد ، حسن رضا، سکول محلہ، منڈی بہاؤالدین
، صدف مُومنی، میٹھادر، کراچی ، عباد علی سحر، چونگی، لاہور ، رخشندہ تابندہ ریاض، باغبانپورہ، لاہور
، رفیق زاہد، شاہی بازار، گوادر ، شہانہ شمشاد، شومارکیٹ، کراچی ، بصیر الدین، ہالانیو، سندھ
، انیقہ صدف، شاہی بازار، حیدر آباد ، بشیر احمد، نیا محلہ، جہلم
ایک غلط جواب ارسال کرنے والے ساتھی، مقصود احمد صدیقی، اورنگی، کراچی ، ارشد الہدیٰ، قصبہ کالونی، کراچی
، ندیم قدیر، لیاقت آباد، کراچی ، راشد رفیع، پیر کالونی، کراچی ، نجیب الدین، یونیورسٹی کیمپس، پشاور
، ضمیر احمد، قصبہ کالونی، کراچی ، ارم یاسر، لطیف آباد، حیدر آباد

مُحمّد سلیم مُغل

کیا سمجھے ....؟

کہنے کو کہہ لیجیے کہ یہ ایک جنگل تھا مگر اِسے آپ کیونکر جنگل کہیں گے جس کے حُسن و خوبصورتی نے اِسے جنگل سے زیادہ حسین باغ بنا دیا تھا۔ یہاں اَنواع واقسام کے پھول کھِلتے اور رنگ برنگی کلیاں چٹکتیں اور اِن کی خوشبوؤں سے پورا جنگل گلزار بن کر مہک اُٹھتا۔ سایہ دار درختوں کی گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں تلے گلہریاں آنکھ مچولی کھیلتیں اور حسین لچکتی ڈالیوں پر پرندے بیٹھ کر جھُولتے۔ اور اپنی میٹھی میٹھی بولیاں بولتے ... برسات کی راتوں میں پپیہوں کی مترنّم آوازیں جادو سا جگا دیتیں، اور اندھیری راتوں میں جگنوؤں کی روشنی ماحول کو منوّر کر دیتی ... زمین پر قدرت کے اُگائے ہوئے سبزہ زار کو دیکھ کر کسی مخملیں قالین کے بچھے ہونے کا گمان ہوتا یہاں کے خودرَو پودے بھی کانٹوں سے عاری اور

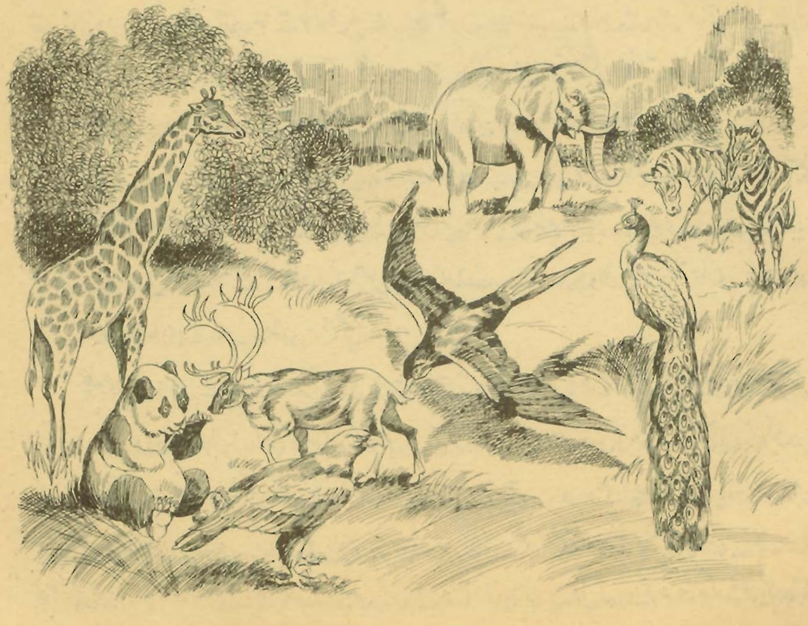

پھولوں سے سجے ہوتے ... پھدکتے خرگوش، چوکڑیاں بھرتے ہرن اور کوکتی ہوئی کوئلوں کی بدولت جنگل کی فضا سہانی اور یہاں کا سماں پیارا معلوم ہوتا۔ یہاں کے درخت پھلوں سے لد کر جھکنے لگتے تو جنگل کے تمام جانور مل کر خدا کے شکر کا نغمہ گاتے... جب سب لوگ سو جاتے تو رات کی رانی خوشبو بن کر بہرا دیتی اور سونے والوں کی سانسوں میں شامل ہو کر ان کے دل و دماغ کو مسحور کرتی... یہ جنگل کیا تھا قدرت کی رنگینیوں کا جیتا جاگتا شاہکار تھا جہاں رحمتیں برستیں اور برکتیں اُگتی تھیں۔۔اس گوشۂ جنّت نگاہ میں سُکھ تھا۔۔چین تھا اور پیار تھا اور یہاں کا ماحول محبّت کی خوشبو میں رچا بسا ہوا تھا۔

اس جنگل میں بہت سے جانور رہتے تھے مگر ان میں کوئی درندہ یا درندہ صفت نہ تھا۔ یہ سب کے سب جانور محبّت اور سلوک سے رہتے اور ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں کام آتے۔ اور دوسروں کو خوش دیکھ کر خوش ہوتے۔ سبھی جانوروں نے جنگل کے کام آپس میں تقسیم کر رکھے تھے، اور ہر جانور اپنے حصّے کا کام خوشی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتا... برق رفتار خرگوش پیغام رسانی کا کام کرتے اور اونچی اُڑان والے پرندے باہر کے حالات سے باخبر رکھتے۔ تربیّت کا کام طوطے سرانجام دیتے اور کسی تقریب کے لیے پھل توڑ کر لانا بندروں کی ذمّہ داری تھا۔ ہاتھی کو سب جانور ہاتھی چچا کہہ کر بلاتے۔ اور ہاتھی کا کام سخت وزن اٹھانا۔ اور چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا تھا۔ شام کو جب سب جانور تھک جاتے تو کوئل اپنے رسیلے نغموں سے سب کے کانوں میں رس گھولتی، مور اپنے پَر پھیلا کر رقص کرتا اور بندر لطیفے سنا کر سب کے تھکے ہوئے چہروں کو رعنائی اور شگفتگی عطا کرتا...

جنگل میں بسنے والے جانوروں کی حفاظت ہرنوں کے ذمّہ تھی۔ اور سبز ہرنوں کی ٹولی ہمیشہ مستعد رہتی... کبھی کوئی درندہ ادھر آ بھی نکلتا تو سبز ہرن اپنے نوکیلے سینگوں سے بیرونی حملہ آور کو نیست و نابود کر دیتا... سبھی جانور سبز ہرنوں کا احترام کرتے، ان سے مشورہ لیتے اور ان کی رہنمائی میں ہر کام کیا کرتے۔ یوں سبز ہرن اپنا اعتبار جماتے رہے اور اپنے اپنے حصّے کے کاموں کو فرض سمجھ کر نبھاتے رہے... روز و شب کا یہ سفر جاری رہا۔ اور یہ جنگل پھولوں کی وادی کے نام سے مشہور ہو تا گیا۔

پھولوں کی وادی کے ساتھ ساتھ ایک دریا بہتا تھا جس کا پانی کبھی کم نہ ہوتا اور جس کی لہریں ہمیشہ سرکش رہتیں... دریا کا پانی پھولوں کی وادی کو سیراب کرتا اور اس کی تُند و تیز لہریں اس وادی کی حفاظت کرتیں۔ کیونکہ دریا کے پار جو لال گھاٹ کا مشہور جنگل تھا وہاں صرف درندے رہتے تھے۔۔۔ اور وہ بھی ایسے، سُرخ و سیاہ درندے جن کے تصوّر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ یہ جنگل اتنا گھنا تھا کہ نہ تو یہاں سورج کی روشنی پہنچتی اور نہ ہی چاندنی راتوں میں چاند کی ٹھنڈی کرنیں... جو اس جنگل میں چلا جائے وہ کبھی واپس نہیں لوٹتا، شاید اسی لیے لال گھاٹ کو موت کا گھاٹ بھی کہا جاتا تھا۔

پھولوں کی وادی میں بسنے والے معصوم جانوروں کی حفاظت کے لیے قدرت نے کشادہ دریا کو ڈھال بنا کر دو جنگلوں کے درمیان رکھ دیا تھا۔ ورنہ بعید نہ تھا کہ لال گھاٹ کے درندے آ کر پھولوں کی بستی کو نیست و نابود کر جاتے۔

پھولوں کی بستی میں رہنے والے جانوروں کے رہن سہن اور ان کے کام کرنے کے انداز میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑا سلیقہ رکھ دیا تھا۔ تمام جانور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ایک جگہ جمع ہو کر اپنے اپنے گزشتہ کاموں کا احوال سُناتے پھر ایک دوسرے کی رائے سے آئندہ برسوں کے لئے نئے کام اور نئی ذمہ داریاں تقسیم ہوتیں اور یوں ہر جانور ایک نئے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا۔۔۔ مگر اس بار جو بات عجیب ہوئی وہ یہ تھی کہ جانوروں کے اس عظیم اجتماع میں کچھ عجیب و غریب شکلوں کے جانور بھی موجود تھے، جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے، جنگل کی سرحد پر کبھی کبھار نظر آنے والا بھیڑیا اور مکّار لومڑ بھی تھا۔۔۔ اور دریا کے پُشتے پر بلوں میں رہنے والے سانپ اور اژدہے بھی تھے، کچھ جانور تو اپنی شکلوں سے ایسے لگ رہے تھے جیسے سُرخ گھاٹ کے جنگل سے آئے ہوں۔

ان تمام اجنبی جانوروں کا کہنا یہ تھا کہ ہم لوگ دریا کے اُس پار سے خطرے کی بُو سونگھ کر آپ کو خبردار کرنے آئے ہیں اس موقعہ پر ہم یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ وہاں آپ لوگوں کو ختم کرنے کی سازشیں تیار ہو رہی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ مل کر ان سازشوں کو ناکام بنائیں۔ اور آپ کی قوت میں اضافہ کریں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ کے دستِ بازو ہوں اور جنگل کی رونق میں مزید اضافہ کریں۔ ایک بھیڑیئے نے تو اتنی دردناک تقریر کی اور متوقع خطرات کی ایسی منظرکشی کی کہ ماحول پہ افسردگی چھا گئی۔ تقریر کرتے ہوئے بھیڑیا پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا اور سانپوں کی آہ و زاری نے ماحول پر عجب رقّت طاری کر دی، یہ منظر دیکھا تو بھولی فاختہ کا بھی دل بھر آیا۔ اور ننّھی کوئل بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی۔ ' دوسرے جانوروں کا بھی کم و بیش یہی حال تھا۔۔

سبز ہرنوں کا ماتھا ٹھنکا اور انھوں نے سب کو محتاط رہنے کی تلقین کی، مگر سب نے بہ یک زبان کہا۔۔۔ ہرن بھیّا شک تو تمھارے مزاج میں شامل ہے۔ کبھی تو کسی پر اعتبار کر لیا کرو۔۔۔ جو لوگ ہمارے ہمدرد اور غمگُسار بن کر آئے ہیں کیا ہم انھیں اپنا محسن نہ سمجھیں ۔۔۔ جانوروں نے ہرن کی ایک نہ مانی اور یوں بھیڑیئے اور سانپ پھولوں کی وادی کے مستقل ممبر بن گئے۔

پھولوں کی وادی میں آنے والے نئے جانور ابتدا میں دوسرے جانوروں کے بہت کام آئے اور جنگل کو اچّھا بناتے کے لیے بہت سے کام کیے ۔۔۔ یوں اُن کا اعتبار قائم ہوتا گیا اور سبز ہرن اپنا اعتبار کھوتے رہے۔ یہاں تک کہ سبز ہرنوں کی مخالفت بڑھتے بڑھتے عروج پر جا پہنچی اور اجنبی جانوروں کا اعتبار ایسا جما کہ یہی جنگل کے سب سے محترم جانور

قرار پائے اور سب جانوروں نے اپنی جبینیں اِن کے آگے جُھکا دیں۔ اور اِن کے فیصلوں کو تسلیم کرنے لگے۔ دِن گزرتے گئے، روز و شب کا سفر جاری رہا اور پھر وہ دِن بھی آئے جب فاختہ کے گھونسلے سے انڈے اور مینا کے گھونسلے سے بچّے غائب ہونے لگے۔ خرگوش کے بچّے گھر سے نکلتے تو واپس نہ آتے۔ یہ اور ایسی بہت سی پریشانیاں دوسرے جانوروں کو بھی پیش آنے لگیں۔ جب درختوں کے سبز پتّے خون آلود ہونے لگے اور مخملیں سبزے پر جانوروں کی ہڈّیاں نظر آنے لگیں اور جب پرندے ہجرت کرنے لگے اور جانوروں نے اپنے بلوں اور کچھاروں سے باہر آنا چھوڑ دیا تب چالاک لومڑی اور مکّار بھیڑیوں نے میٹنگ بلائی اور اِس صورتِ حال پر غم و غُصّے کا اظہار کیا۔۔۔ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے بھیڑیئے نے بھی پھُنکار پھُنکار کر کہا کہ "ہم لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور ایسا وقت تو قوموں پر آیا ہی کرتا ہے۔۔ آپ لوگ حوصلے سے کام لیں"۔ لال گھاٹ سے آئے ہوئے درندوں نے سب معصوم جانوروں کو یقین دلایا کہ یقیناً یہ سازش سبز ہرنوں کی ہے۔۔۔ بھولے جانور ہرنوں کے خلاف محاذ آرا ہو گئے۔۔۔ اُن معصوموں کو کون بتاتا کہ جو ہرن برسوں تمھاری حفاظت کرتے آئے ہیں وہ تمھارے بچّوں کے دشمن کیونکر ہو سکتے ہیں۔۔۔ بے عقل جانوروں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ ہرن درخت کی ٹہنیوں پر چڑھ کر فاختہ کے انڈے اور مینا کے بچّے نہیں اُٹھا سکتا۔ پھولوں کی بستی کے حالات خراب ہونے لگے۔ اور محبتیں رُخصت ہونے لگیں۔۔۔ اب درختوں کی ویران ٹہنیوں سے آگ برستی ہے اور زمین پر مخملیں قالین کے بجائے کانٹے اُگتے ہیں، یہ بستی تو آج بھی موجود ہے مگر اس میں پھُول نہیں کِھلتے اور نہ ہی کلیاں چٹکتی ہیں۔ اب یہاں ٹھنڈی چھاؤں میں گلہریاں آنکھ مچولی بھی نہیں کھیلتیں اور مور رقص بھی نہیں کرتے۔ سُنا ہے کوئل نے کوکنا بھی چھوڑ دیا ہے اور جگنو کی جگہ کیڑوں مکوڑوں نے لے لی ہے۔۔۔ اب پھولوں کی اِس وادی پر خزاں کا راج ہے اور وحشت کا بسیرا ہے۔۔۔ یہاں پر بھیڑیئے خوش اور لومڑیاں مسرور ہیں۔۔۔ سانپ پھُنکارتے اور اژدہے دندناتے پھرتے ہیں۔

سُنا ہے اِس ویرانے میں لاغر سبز ہرنوں کی ایک چھوٹی سی ٹولی اب بھی باقی ہے اور اُسے اُمید ہے کہ بھیڑیوں اور سانپوں کا راج ایک دِن ضرور ختم ہوگا اور پھُول کلیاں پھر سے مہکیں گی۔ اِن جنونی ہرنوں کو اب بھی یقین ہے کہ خزاں ایک نہ ایک دن ضرور جائے گی اور بہاریں لوٹ آئیں گی۔۔۔ بس کبھی کبھی جب یہ ہرن دریا کے اُترتے ہوئے پانی کو دیکھتے ہیں تو ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دریا خشک ہو جائے، لال گھاٹ کے جنگل سے سُرخ و سیاہ درندے اِس وادی پر ٹوٹ پڑیں اور اُمّید کی وہ آخری کرن بھی بُجھ جائے جس کی آس پر ہرنوں کی یہ ٹولی آج بھی زندہ ہے۔

غازی مختار

سندھی پس منظر کی کہانی

میرل فسادی

کسی گاؤں میں میرل نام کا ایک آدمی رہتا تھا۔ میرل کی عمر تقریباً ۲۰ سال تھی قد کاٹھ کا بھی بڑا اچھا تھا مگر اسے جھوٹ بولنے۔ افواہیں پھیلانے اور لوگوں کو لڑانے کی بُری عادت تھی۔

میرل کے ماں باپ بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ کچھ عرصہ قریبی رشتہ داروں نے اُسے اپنے پاس رکھا مگر جلد ہی انہوں نے بھی اس کی بُری عادتوں سے تنگ آکر اُسے گھر سے نکال دیا۔ وہ اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں چلا گیا تو وہاں سے بھی لوگوں نے عاجز آکر اسے گاؤں سے نکال باہر کیا وہ جہاں بھی جاتا اپنی

بُری عادتوں کے سبب چند ہی دِن میں بھگا دیا جاتا۔ رفتہ رفتہ قرب و جوار کے تمام گاؤں میں اس کی بُری شہرت پھیل گئی اور ایک دِن ایسا آیا کہ اگر وہ کسی گاؤں میں دکھائی دے جاتا تو لوگ اُسے اسی وقت اپنے گاؤں سے بھگا دیتے۔

بڑے سوچ بچار کے بعد میرل نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی دُور دراز علاقہ میں چلا جائے جہاں لوگ اس کی بُری عادتوں سے واقف نہ ہوں اور وہ اپنی اِن عادتوں کو کم کرنے اور پھر چھوڑنے کی کوشش کرے۔

چلتے چلتے میرل اپنے گاؤں سے بہت دُور ایک چھوٹے سے گاؤں کے قریب پہنچا۔ یہ گاؤں زیادہ بڑا تو نہیں تھا مگر یہاں کے لوگ بڑے محنتی تھے اس لئے گاؤں بڑا خوش حال اور صاف سُتھرا تھا۔ یہاں کے لوگ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک رہتے۔ گاؤں کے لوگوں میں اتنا سلوک اور بھائی چارہ تھا کہ گاؤں کے بجائے وہ ایک گھر محسوس ہوتا تھا۔

گاؤں کی اوطاق مہمان خانہ گاؤں سے باہر دوسری طرف تھی اس لئے میرل تھکاوٹ دُور کرنے کے لئے گاؤں سے باہر ہی ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا۔

اُس گاؤں میں ولی محمد نامی ایک شخص رہتا تھا۔

ولی محمد اپنے کسی کام کاج کے سلسلہ میں گاؤں سے باہر جا رہا تھا۔ جب وہ میرل کے قریب سے گذرا تو میرل نے بلا کر کہا" بھائی مسافر ہوں اور بھوکا ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے کھانا کھلا دو۔

ولی محمد جلدی جلدی واپس گھر گیا، روٹیاں پکوائیں، لسّی کا برتن بھرا اور واپس جا کر میرل کو دیا۔ جب میرل کھانا کھا چکا تو ولی محمد نے اس کا حال احوال پوچھا۔

میرل نے ولی محمد کو بتایا کہ وہ" دنیا میں اکیلا ہے کوئی عزیز رشتہ دار بھی نہیں ہے جہاں جاتا ہے۔ مزدوری یا نوکری کر کے اپنی گذر بسر کر لیتا ہے"

ولی محمد کو اپنے کھیتوں پر کام کرنے کے لئے ایک آدمی کی ضرورت تھی اس نے میرل سے پوچھا۔ "اگر میں تمہیں اپنے کھیتوں کے لئے نوکر رکھ لوں تو تم کیا معاوضہ لو گے؟

"بھائی میں اکیلی جان ہوں۔ بس کھانے پینے، کپڑے لتّے کے علاوہ جو تمہارا جی چاہے دے دینا" میرل نے جواب دیا۔

ولی محمد بڑا خوش ہوا کہ بڑا سستا نوکر مل گیا اور اُسے اپنے ساتھ گھر لے گیا اور تمام کام سمجھا دیا۔ تقریباً چھ ماہ میرل خوب جی جان سے کام کرتا رہا اس دوران اُسے معمولی چھوٹے موٹے جھوٹ کے علاوہ

کوئی بڑا جھوٹ بولنے کا موقعہ ہی نہ ملا جس سے اس کی عادت کی تسکین ہوتی۔ کئی دفعہ کوئی بڑا فساد پھیلانے کے لئے اس کا دِل چاہا مگر گاؤں چھوٹا سا تھا۔ لوگ بڑے محنتی تھے جو ہر وقت اپنے اپنے کاموں میں مصروف رہتے اور پھر ولی محمد نے میرل کے ذمہ کھیتوں ہی کا کام سونپ رکھا تھا۔ اس لئے اس کا زیادہ وقت کھیتوں میں گذرتا اور دیگر لوگوں سے اس کا واسطہ کم ہی پڑتا تھا۔

فصلیں پک کر کھلیانوں میں جمع ہوگئیں تو کھلیانوں کی رکھوالی۔ اناج نکالنے اور نئی فصل کی تیاری کے لئے کام کچھ زیادہ ہو گیا تو ولی محمد بھی میرل کے ساتھ ہی کھیتوں پر رہنے لگا۔

میرل صبح ولی محمد کے گھر سے بیل ہانک کر کھیتوں میں لے آتا اور پھر شام کو بیل گھر چھوڑنے گھر جاتا تو اپنا اور ولی محمد کا کھانا کھیتوں ہی پر لے آتا۔ دِن کا کھانا ولی محمد کی بیوی کھیتوں میں پہنچاتی اور جاتے ہوئے رات کے برتن بھی لے جاتی۔

ایک دِن حسبِ معمول میرل جب ولی محمد کے گھر بیل باندھنے اور رات کا کھانا لینے گیا تو ولی محمد کی بیوی نے اس سے پوچھا "بہت دِن ہو گئے ہیں ولی محمد خود گھر کیوں نہیں آیا؟"

میرل نے گھر کی مالکن کو بڑی رازداری سے جواب دیا "تیرے میاں کو کوڑھ ہو گیا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اُس کی بیماری کا تجھے علم ہو۔ اس لئے وہ گھر نہیں آ رہا۔ وہ چپکے چپکے اپنا علاج کرا رہا ہے مگر مجھے تو ٹھیک ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔"

عورت کو فکر لاحق ہوئی۔ اس نے میرل سے پوچھا "بھلا تو یقین سے کیسے کہہ رہا ہے کہ اسے کوڑھ ہی ہو گیا ہے"؟

میرل نے جواب دیا "جس کو یہ مرض ہو جاتا ہے اس کے بدن پر داغ اور گلٹیاں اُبھر آتے ہیں اور پھر زخم بن جاتے ہیں تم جب کل کھانا لے کر آؤ تو خود اس کے بدن پر نشانات دیکھ لینا"

ولی محمد جب رات کا کھانا کھا چکا تو میرل نے ولی محمد سے کہا "ولی محمد تیری بیوی پاگل ہو گئی ہے اور اکثر لوگوں کو دانتوں سے کاٹنے کے لئے لپکتی ہے اس نے گاؤں میں دو تین عورتوں کو کاٹ بھی لیا ہے۔ اب تو کوئی اس کے قریب بھی نہیں جاتا۔"

ولی محمد نے میرل سے کہا "تجھے کسی نے غلط کہا ہے ابھی چند دِن پہلے تک تو بالکل ٹھیک تھی"۔

"جب صبح وہ کھانا لے کر آئے تو خود دیکھ لینا" میرل نے جواب دیا۔

یہ باتیں کر کے میرل حقہ پینے کے بہانے سیدھا ولی محمد کے ساتھ والوں کے کھیتوں میں چلا گیا اور ان سے کہنے لگا۔

"بھائی تم کیسے بے غیرت بھائی ہو کہ ولی محمد روزانہ تمہاری بہن کو مارتا ہے اور تم ہو کہ اُسے منع ہی نہیں کر سکتے"

"ہمارا بہنوئی تو بڑا اچھا آدمی ہے۔ وہ کبھی ہماری بہن کو نہیں مارتا۔ تو جھوٹ بولتا ہے" ولی محمد کے بڑے سالے نے میرل کو جھڑک دیا۔

"تمہاری بہن بیچاری بڑے صبر والی عورت ہے وہ تم سے اس لئے نہیں کہتی کہ تم لوگ ولی محمد سے جھگڑا کرو گے۔ میں تو تمہارا اور تمہاری بہن کا ہمدرد ہوں اس لئے بتا رہا ہوں۔ میں نوکر ہوں اس لئے کیا کر سکتا ہوں ویسے میرا دِل بڑا دُکھتا ہے" "اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو تم لوگ کل دِن کو جب تمہاری بہن کھانا لے کر آئے تو کہیں قریب چھپے رہنا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ ولی محمد اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے"۔

وہاں سے میرل ولی محمد کے بھائیوں کے پاس گیا اور اُن سے کہا "تم لوگ بھی عجیب بے غیرت لوگ ہو تمہارے بھائی کی روزانہ اُس کے سالے پٹائی لگاتے ہیں اور تم اُن کو کچھ نہیں کہتے"۔

ولی محمد کے بھائیوں نے پہلے تو میرل کو جھٹلایا مگر جب اُس نے کہا کہ "اگر میری بات کا یقین نہیں تو کل دِن کو کہیں چھپ کر خود دیکھ لینا" "میں ولی محمد کا نوکر ہوں۔ اس کا نمک کھاتا ہوں اس لئے مجھے اُس کی اِس حالت پر بڑا دکھ ہوتا ہے ورنہ مجھے کیا پڑی تھی کہ تمہیں سب کچھ بتاتا"

یہ سب کارگذاری کر کے میرل واپس آیا اور سو گیا۔

صبح جب ولی محمد کی بیوی کھانا لے کر آئی اور ولی محمد کھانا کھانے لگا تو ولی محمد کی بیوی نے میرل کی بات کی تصدیق کرنے کے لئے اپنا چہرہ ولی محمد کے بازو کی طرف بڑھایا۔

ولی محمد کو رات والی بات یاد تھی اور وہ پہلے سے چوکنا تھا۔ جیسے ہی بیوی نے منہ بڑھایا ولی محمد نے سوچا یہ واقعی کاٹے گی۔ اس نے اپنی بیوی کے منہ پر بڑے زور کا تھپڑ مارا ابھی دوسرا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ قریب کی جھاڑیوں میں سے ولی محمد کے سالے لاٹھیاں تھامے ولی محمد کو للکارتے اس کی طرف لپکے بہت دن ہوئے ہیں تجھے ہماری بہن کو مارتے۔ آج پتہ چلا ہے تیری یہ عادت ہمیشہ کے لئے چھڑا کے دم لیں گے"

ولی محمد کے سالوں کو لاٹھیاں تھامے للکارتے ہوئے ولی محمد پر لپکتے جب اُس کے بھائیوں نے دیکھا تو میرل کی بات کا یقین آگیا اور وہ ولی محمد کے سالوں کو للکارتے ہوئے میدان میں نکل آئے۔

کھلے میدان میں لاٹھیوں کلہاڑیوں کی لڑائی شروع ہو گئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں پارٹیاں سخت زخمی حالت میں ہسپتال پہنچیں۔

گاؤں کے معززین نے صلح صفائی کے لئے جب جھگڑے کا سبب معلوم کیا تب ساری بات معلوم ہوئی معاملہ جیسے تیسے رفع دفع ہوگیا اور لوگ ہسپتال سے اپنے اپنے گھروں کو آگئے۔ میرل اپنی عادت پوری کرکے نہ معلوم کس طرف نکل گیا۔ کئی دن تک دونوں ہی پارٹیاں اپنے کام کاج چھوڑ کر میرل کو بڑی سرگرمی سے تلاش کرتی رہیں۔ وہ میرل سے اس حرکت کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔

ایک دن مولوی دھنی بخش نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ "اب میرل کی تلاش بے سود ہے ایسے عادی تخریب کاروں کا تو کام ہی یہ ہے۔ وہ فساد برپا کرکے کھسک جاتے ہیں۔ اور لوگ لڑتے رہتے ہیں۔" "اس کی تلاش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے آپس میں بھائی چارہ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ تم لوگوں نے بڑا مالی اور جانی نقصان اُٹھایا ہے۔ ایک دوسرے کا خون بہانے سے تمہارے دِلوں میں کدورتیں اور نفرتیں پیدا ہوگئی ہیں انہیں دھونے کی کوشش کرو تم میں سے کوئی قصور وار نہیں ہے اور اگر ہے تو سب ہی برابر کے قصور وار ہو کہ بلاسوچے سمجھے میرل کے بہکاوے میں آگئے۔"

آئندہ کبھی افواہوں پر کان نہ دھرو بلکہ کوئی بھی شخص تم سے کسی کے لئے بھی کوئی ایسی ویسی بات کہے یا چغلی کھائے تو ایک دم سے یقین کر لینے کے بجائے خود اس سے اس کی تصدیق کرو یقیناً بات وہ نہیں ہوگی۔ جو تم سے کہی گئی ہے یا اتنی نہیں ہوگی جتنی بتائی گئی ہے۔

خالی جگہ

قائداعظمؒ ایک مقدمے کی پیروی کر رہے تھے، انگریز مجسٹریٹ طنز سے بولا "مسٹر جناح، آپ کی باتوں کو میں ایک کان سے سنتا ہوں اور دوسرے کان سے نکال دیتا ہوں"

قائداعظم نے برجستہ جواب دیا "آپ کے دونوں کانوں کے درمیان کی جگہ خالی ہے"

کردار کی اہمیت

جس کی دولت کھوگئی اُس کا کچھ نہ گیا کہ یہ پھر بھی مل جائے گی، جس کی صحت کھوگئی اُس کا کچھ بھی نقصان نہیں کہ پھر صحت مند ہو جائے گا، لیکن جس کا کردار کھوگیا، اُس کا سب کچھ کھوگیا،

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت۔ جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
مستقبل کی بڑی ذمّہ داریوں کے لئے ابھی سے اپنے ذہن کو تروتازہ اور جسم کو توانا رکھئے
غیر متوازن غذائیں انسانی جسم کی تمام ضروریات پوری نہیں کرتیں۔
دودھ واحد غذا ہے جو انسانی جسم کو زیادہ سے زیادہ قوّت فراہم کرتی ہے۔
سارے خواب پورے ہوں
سارے سُکھ پاؤ.... مگر
دُودھ تو پیو
قدرت کی عطا کردہ اِس انمول نعمت میں کیلشیم، پروٹین، وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزاء شامل ہیں۔ دُودھ کا روزانہ استعمال۔ اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے
دن میں دوبار دودھ پینا اپنی عادت بنا لیجئے۔
چاہیں تو دُودھ میں چاکلیٹ یا شربت ڈال کر پی سکتے ہیں۔
یوں گویا۔
غذا کی غذا
مزے کا مزا
اشتہار برائے بہبود اطفال؛ منجانب ماہنامہ آنکھ مچولی، کراچی

MASS

ننھے ہاتھ نئی تحریریں

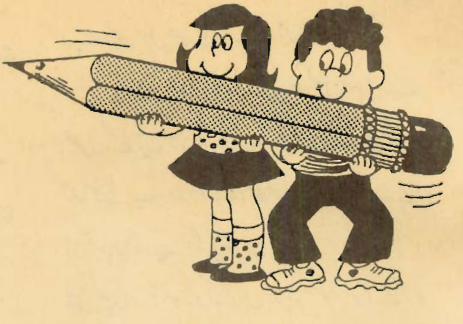

لوئیس پاسچر

مرسلہ: عرفان اختر ملک راولپنڈی

عظیم سائنس دان پاسچر ۱۸۲۷ء میں فرانس کے ضلع جرا میں ڈولے کے مقام پر پیدا ہوا۔ وہ دو سال کا تھا کہ اس کا خاندان ڈولے سے نقل مکانی کر کے آربوس آگیا۔ پاسچر سکول داخل ہوا اور بسانکون میں سائنس اور آرٹ میں ڈگری حاصل کی۔ کیمسٹری سے اس کو پہلے ہی لگاؤ تھا چنانچہ ۱۸۴۲ء میں جب وہ بیس برس کا تھا پیرس میں اکول نور میلے میں داخل ہوگیا۔ ۱۸۴۸ء میں کیمسٹری کا ڈپٹی پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۸۵۰ء میں شادی کی ۱۸۶۳ء میں فرانسیسی اکیڈمی کا ایک انعام حاصل کیا

۱۸۷۰ء میں جب فرانس اور جرمنی کی جنگ چھڑی تو پاسچر نے بون یونیورسٹی کی عطا کردہ ڈاکٹر آف میڈیسن کی ڈگری واپس کر دی ۱۹۷۹ء میں وہ پرندوں کے ہیضے کے بارے تحقیق کر رہا تھا۔ وہ لیبارٹری سے چھٹی پر چلا گیا واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس نے جن جرثوموں کی افزائش کی تھی وہ یا تو مر چکے ہیں یا مر رہے ہیں۔ اس نے ان جرثوموں کو پرندوں میں داخل کیا۔ بیماری کی علامت تو ظاہر ہوئیں لیکن پرندے مرے نہیں۔

اس نے اپنے تجربات جاری رکھے اور آخر کار ثابت کر دیا کہ اگر جرثوموں کی افزائش کر کے انہیں کمزور بنا دیا جائے اور انہیں ایک صحت مند جانور میں داخل کر دیا جائے تو جانور بیماری کے مہلک اور شدید حملے سے محفوظ رہتا ہے۔

پاسچر نے اس طرح جرثوموں کو جسم میں داخل کر کے پاگل کتے کے کاٹے کا علاج بھی دریافت کرنے کی کوشش کی۔ یہ پہلی انسانی بیماری تھی جس میں یہ طریقہ علاج آزمایا گیا۔ ۱۸۸۵ء میں پہلی بار طریقۂ علاج ایک بچے پر آزمایا گیا۔ وہ بچہ بیماری سے بچ گیا۔

بعد میں یہ طریقۂ علاج عام ہوگیا اس کامیابی

سے متاثر ہو کر دوسرے سائنس دانوں نے تپ دق خناق، ٹائی فائیڈ، ہیضہ اور ٹیٹنس کے جراثیم دریافت کر کے ان بیماریوں کا علاج ڈھونڈا۔

۱۸۸۸ء میں اس کے نام پر پیرس میں ایک ادارہ کھولا گیا ۱۸۹۵ء میں تہتر (۷۳) سال کی عمر میں فوت ہوا اور اسی ادارے میں مدفون ہوا۔

"اچھے بچے"

مرسلہ، مہرین فاطمہ

پیارے پیارے بچے تین
عمی، جمی اور متین!

مل جل کر وہ رہتے ہیں
سب ہی اچھا کہتے ہیں

ادب بڑوں کا کرتے ہیں
دل لگا کے پڑھتے ہیں

سب سے دوستی رکھتے ہیں
کبھی نہیں وہ لڑتے ہیں

جھوٹ سے نفرت کرتے ہیں
بات وہ سچی کرتے ہیں

سب خوش ان سے رہتے ہیں
تحفے لا کے دیتے ہیں

آنکھ مچولی کھیل

مرسلہ، نائیلہ پروین

اب تو زمانہ ہی بدل گیا ہے جدھر دیکھو کرکٹ، ٹینس فٹ بال، ہاکی اور بیڈمنٹن کا چرچا ہے اور پاکستانی بچے اپنے دیسی کھیل بھولتے جا رہے ہیں۔

پاکستانی کھیلوں میں بہت سے کھیل شہری بچے بھول گئے ہیں لیکن ایک کھیل ایسا ہے جو اب بھی شہروں میں مقبول ہے اور وہ ہے آنکھ مچولی یہ کھیل انگلستان میں بھی کھیلا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسے / یعنی چھپو اور ڈھونڈو کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھیل انگریزوں نے ہم سے سیکھا ہے آنکھ مچولی بہت دلچسپ اور سیدھا سادہ کھیل ہے گھر کے بچے صحن میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک چور بنتا ہے اور کسی دیوار کے پاس آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو جاتا ہے اس جگہ دیوار پر نشان لگا دیتے ہیں اس نشان کو دھائی یا دھیا کہتے ہیں۔ چور بار بار کہتا ہے کہ آنکھیں کھول دوں۔ اور جب تمام بچے اچھی طرح چھپ جاتے ہیں تو ان میں سے ایک زور سے کہتا ہے کھول دو" یہ سن کر وہ چور اپنی اپنی آنکھیں کھول دیتا ہے اور بچوں کو ڈھونڈتا ہے اگر وہ کسی کو پکڑ لے تو پھر وہ بچہ چور بنتا ہے تو بچے اپنی اپنی جگہ سے نکل کر دھیا چھونے کی کوشش کرتے ہیں جو بچے چھو لیتے ہیں انہیں چور نہیں پکڑتا بعض چور بہت چالاک ہوتے ہیں کنکھیوں سے دیکھتے رہتے ہیں کہ چھپنے والے کہاں کہاں چھپتے ہیں۔ اس بے ایمانی سے بچنے کے لئے گھر کا کوئی بڑا آدمی بھائی، امی یا باجی وغیرہ چور کی آنکھیں بند کر دیتا ہے اور جب بچے چھپ جاتے ہیں تو آنکھیں کھول دیتا ہے یہی آدمی دھیا ہوتا ہے اور

بچے اس کو آ آ کر چھوتے ہیں
آنکھ مچولی بڑا دلچسپ کھیل ہے پاکستان اور ہندوستان کے تمام علاقوں میں کھیلا جاتا ہے بس ناموں کا فرق ہے ہندوستان میں اسے لک چھپ ہیں۔ علاقہ پنجاب کے دیہات میں اسے تکی مٹی کہتے ہیں اس کھیل میں بھاگنے دوڑنے سے بچوں کی ورزش بھی خوب ہوتی ہے عام طور پر گرمیوں کی چاندنی راتوں میں چھوٹے چھوٹے بچے یہ کھیل کھیلتے ہیں اور چھپنے کی جگہ مقرر کر لیتے ہیں تاکہ چور کو ڈھونڈنے میں دقت نہ ہو اور چور کو وہ جگہ بتا دیتے ہیں اور دیوار پر ایک نشان دھائی یا دھیا کے طور پر لگا دیا جاتا ہے اور اس طرح یہ کھیل اختتام پذیر ہوتا ہے اور بچے بُری صحبت سے محفوظ رہتے ہیں۔

دنیا رنگ رنگیلی

مرسلہ: محمد سلیم جان مروت، بنوں شہر

اب سے بہت سال پہلے جب زمین بالکل جوان تھی دنیا میں کوئی رنگ نہ تھا ہر چیز کالی تھی یا سفید یا پھر سلیٹی۔

سب پھول بوٹے اور سب جانور اور پرندے بھی۔ سورج بے چارہ روز اس بھدی سی زمین پر چمکتا اور کوئی رنگ تلاش کرنے کی بہت کوشش کرتا مگر کوئی رنگ نہ ملتا اور پھر ایک دن جب سورج بالکل ہمت ہارنے والا تھا۔

تو اسے دُور تھوڑا سا رنگ دکھائی دیا۔ ایک گھنے کالے جنگل کے بیچ میں ایک بڑا سا لال رنگ دکھائی دیا۔ وہ ایک بڑا انڈہ تھا۔ رنگ دیکھ کر سورج بہت خوش ہوا اور انڈا بھی سورج کو دیکھ کر خوب چمکا۔ سب جانور بھی انڈے کو دیکھنے آگئے۔ کالے رنگ کے چیتے، شیر اور خرگوش وغیرہ اور خرگوشوں نے تو انڈے کو اتنا گھورا کہ اس کی چمک سے ان کی آنکھیں گلابی ہو گئیں اور آج تک ویسی ہی ہیں۔ سورج روز انڈے پر چمکتا۔ سورج کی گرمی سے انڈا بڑا ہوتا گیا اور بہت سے رنگ اس میں جھلکنے لگے۔ اور جانور ہر روز اسے دیکھنے آتے۔ اور پھر ایک دن انڈا ٹوٹ گیا۔ اور اس میں سے ایک بڑا سا پرندہ نکلا۔ پرندے کے پروں میں دنیا کا ہر رنگ تھا۔ کالا، لال، سفید، بھورا، نیلا، پیلا، سنہری، گلابی وغیرہ۔ ہرا سبز تو بہت زیادہ تھا اور نیلا بھی۔

پرندہ درخت کی ٹہنی پر بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا لیکن دنیا بالکل بھدی تھی اسے بہت افسوس ہوا۔ اچانک اس نے سورج کا انتخاب کر لیا۔ سورج اسے بہت خوبصورت لگا۔ اور وہ پر لہراتا ہوا۔ سورج کی طرف چل پڑا۔

اڑتا ہوا جوں جوں سورج کے قریب ہوتا گیا تو اس کے پروں میں رنگ رِس رِس کے گرنے لگا سبز رنگ پتوں اور گھاس پر گرا۔ بہت سے سُرخ گلابی اور پیلے وغیرہ رنگ پھولوں پر اور تتلیوں پر گرے۔ کالا رنگ کوے اور دوسرے پرندوں پر نیلا رنگ آسمان اور سمندر میں گرا۔ بھورا رنگ شیر

اور بلی پر گرا۔ حتیٰ کہ ہر رنگ گرا جس سے دنیا اچانک بالکل بدل گئی۔ اور ہر ایک خوش نظر آنے لگا بس پرندہ سورج کے پاس پہنچ گیا۔ اور دونوں نے اکٹھے رہنا شروع کر دیا۔ اور جب تک اکٹھے ہیں دنیا ایسی ہی رنگ رنگیلی رہے گی۔

بوڑھا چوکیدار

مرسلہ: انور کلیم بلوچ: ریلوے روڈ شہداد کوٹ لاڑکانہ

کار سے اترتے ہوئے اکرم کی نظر بوڑھے بینک چوکیدار پر پڑی اس نے برا سا منہ بنا کر اپنے انکل سیٹھ رشید احمد سے کہا "انکل آخر یہ بینکوں پر بوڑھے چوکیدار ہی کیوں رکھے جاتے ہیں؟ اس کے الفاظ بینک کے بوڑھے چوکیدار نے بھی سن لئے مگر وہ یوں مسکرایا جیسے کوئی کسی بچے کی نادانی پر مسکراتا ہو...... "کیوں بھئی ...... کیا برائی ہے ان بوڑھے چوکیداروں میں؟"

اکرم کے انکل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے انکل دیکھئے نا...... کہ جب بینک پر ڈاکو حملہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہی ہتھیار ڈال دیتے ہیں ...... ہنہ...... اکرم نے بھر نفرت سے کہا اب کی بار اس کے انکل نے کوئی جواب نہیں دیا دونوں خاموشی سے بینک میں داخل ہوئے سیٹھ رشید احمد کو کچھ رقم بینک سے نکلوانی تھی ابھی وہ مینیجر کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک غیر متوقع بات ہوئی ...... دروازہ کھلا ساتھ ہی کسی نے گرجدار آواز میں کہا "جو جہاں ہے...... خاموشی سے کھڑا رہے ورنہ ...... سب نے چونک کر دیکھا وہ بڑی بڑی مونچھوں والے خوفناک آدمی تعداد میں ۶ تھے سب کے پاس بندوقیں تھیں ان کے آگے آگے بوڑھا بینک چوکیدار ہاتھ اٹھائے اندر داخل ہوا اس کی رائفل اس کے پیچھے کھڑے ڈاکو کے ہاتھ میں تھی اکرم نے طنزیہ نگاہ چوکیدار پر ڈالی وہ اب بھی پرسکون کھڑا تھا "دیکھا انکل" اکرم نے سرگوشی کی مگر اس کے انکل پریشانی کی وجہ سے کچھ نہ بولے ادھر ڈاکوؤں نے سب لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا ان میں بینک اسٹاف بھی شامل تھا۔ چار ڈاکو پوزیشن سنبھال کر کھڑے ہو گئے جب کہ دو ڈاکو بڑے بڑے تھیلے لئے کاؤنٹروں کے پیچھے چلے گئے اور بڑی تیزی سے رقم نکال نکال کر تھیلوں میں ڈالنے لگے سب لوگوں کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں شاید وہ خفیہ طریقے سے اندر آئے تھے کیونکہ بینک کے باہر ایک بورڈ لکھا ہوا لگا ہوا تھا جس پر یہ عبارت درج تھی کہ بینک میں کرنسی تبدیل کی جا رہی ہے لہٰذا بینک ایک گھنٹے کے لئے بند ہے ...... ادھر ڈاکو بڑی تیزی سے ہاتھ چلا رہے تھے کہ اچانک ایک اور غیر متوقع بات ہوئی بوڑھا چوکیدار جو کہ خاموشی سے کھڑا تھا اچانک پلٹا اور اپنے پیچھے کھڑے ڈاکو کے

ہاتھ میں پکڑی اپنی رائفل پر جھپٹا مارا اور نیچے بیٹھتا چلا گیا عین اس وقت ایک ڈاکو نے اس پر فائر کیا مگر چوکیدار نیچے بیٹھ چکا تھا گولی پیچھے کھڑے ڈاکو ہی کو لگی ساتھ ہی چوکیدار نے ایک ڈاکو پر فائر کر دیا اور وہ ڈاکو چیخ کر گرا ساتھ ہی چوکیدار نے لیٹے لیٹے پلٹنی کھائی مگر دو ڈاکو اس پر فائر کر چکے تھے ایک گولی تو چوکیدار کے کندھے پر لگی دوسری اس کے دائیں پیر میں .... مگر چوکیدار نے بھی ان میں سے ایک کو نشانہ بنا لیا تھا وہ گر پڑا چوکیدار نے اپنی طرف سے مڑنے میں پھرتی دکھائی مگر ایک ڈاکو جو کہ آخری مسلح شخص تھا اس نے چوکیدار پر فائر کر دیا گولی چوکیدار کے پسلیوں میں لگی چوکیدار کے منہ سے چیخ نکلی اس کے ہاتھ لرزنے لگے مگر اس نے اس ڈاکو پر فائر کر دیا وہ بھی گر کر تڑپنے لگا وہ دونوں ڈاکو جو کہ تھیلے لئے خالی ہاتھ کھڑے تھے گھبرا کر باہر بھاگنے لگے مگر پھر جیسے لوگوں کو ہوش آ گیا وہ ان دونوں پر پل پڑے ...... یہ سب کچھ انتہائی تیز رفتاری سے ہوا تھا اچانک اکرم کو چوکیدار کا خیال آیا وہ لوگوں کو ہٹاتا ہوا چوکیدار تک پہنچا اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں جوں ہی اس کی نظریں اپنے اوپر جھکے اکرم پر پڑیں وہ ہولے سے مسکرایا آنکھوں میں چمک آ گئی "بیٹے .... میں نے .... جو رزق کھایا تھا ...... یہ کام ...... کرتے ہوئے وہ ..... حلال کا تھا ...... کہ حرام ... کا

..... چوکیدار نے بمشکل اٹک اٹک کر کہا تو اکرم نے روتے ہوئے کہا "آپ ...... عظیم ہیں بابا... عظیم ہیں .... میں ہی غلطی پر تھا آپ ...... مگر اس وقت بوڑھے نے ہچکی لی اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا ...... دور سے پولیس کی گاڑیوں کی سائرن گونج رہی تھی ....

گن تارا

مرسلہ: نوشاد کامل،
شہید ملت روڈ کراچی

آج ہم آپ کو آپ ہی کے ایک ایسے کھلونے کے بارے میں بتا رہے ہیں جس کو استعمال کر کے ایک جاپانی ماہر نے کیلکولیٹر کو بھی شکست دے دی تھی شاید آپ کے کھلونوں کے بکس میں یہ اس وقت بھی موجود ہو ورنہ آپ نے ایسے کھلونوں کی دکان پر تو دیکھا ہی ہوگا جی ہاں وہی کھلونا تاروں سے بنا ہوا فریم جس میں رنگ برنگی موتیاں پروئی ہوئی ہوتی ہیں اور کئی لائنیں ہوتی ہیں اسے چینی گن تارا بھی کہتے ہیں۔ ویسے اس کا نام ایباکس (ABACUS) ہے۔

یہ تو چند ہی سال پہلے کی بات ہے جب جاپانی محکمۂ ڈاک کے ایک ملازم اور امریکی بری فوج کے ایک ماہر کے درمیان جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے سوالات

حل کرنے کا مقابلہ تھا دراصل یہ مقابلہ چینی گن تارا اور کیلکولیٹر کے درمیان ہی تھا آپ کو یہ جان کر حیرت ہی ہوگی کہ جمع اور تفریق کے سوالات میں تو جاپانی ماہر نے جو چینی گن تارا استعمال کر رہا تھا۔ امریکی سپاہی کو شکست دے دی گو کہ ضرب میں چینی گن تارا ہی جیتا مگر اس جیت کا وقفہ بہت کم تھا اور پھر تقسیم میں بھی کیلکولیٹر جاپانی ماہر کو شکست دے سکا اور اس میں بھی بالکل معمولی سا وقت کا فرق تھا۔

چینی گن تارا جس اُصول پر کام کرتا ہے وہ تقریباً ہزار سال پُرانا ہے لیکن آج بھی جاپان اور چین کے بیشتر دکاندار اور کاروباری حضرات اسی آلہ کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔

تاریخ سے ظاہر ہے کہ آج کی موجودہ ایجادات اور دریافتوں مثلاً بارود، کاغذ، ریشم اور چھپائی وغیرہ ایسی ایجادات ہیں جن کا سہرا چائنا کے سر ہے لیکن چینی گن تارا کو رومن اقوام نے چین والوں سے تقریباً چودہ سو سال قبل استعمال کیا۔

دنیا کے سب سے پہلے چینی گن تارا کی شکل آج کل کے آلہ سے بالکل مختلف تھی گمان یہ ہے کہ وہ ایک میز ہوگی جس پر عمدہ قسم کی ریت کی تہہ ہوگی جس پر انگلی کی مدد یا ٹہنی کی مدد سے حساب کیا جاتا ہوگا ابتدائی دنوں میں کیونکہ کاغذ ایجاد نہیں ہوا تھا اور لکھنے کے سامان کی بھی کمیابی تھی لہٰذا ریت والی میز کو بار بار استعمال کیا جاسکتا تھا۔ بعد کے دور میں ریت کی میز کے متبادل کے طور پر ایک ایسا تختہ استعمال میں لایا گیا جس میں نالیاں بنی ہوئی تھیں اور ایک ٹھیپا یا چھوٹے سے گول کنکری بھی ان نالیوں میں بآسانی حرکت کرسکتی تھی کنکر کے لئے رومن زبان میں لفظ (CALCULAS) مشتمل ہے لہٰذا کنکروں کے ذریعے حسابی عمل کرنے کا نام (CALCULATION) پڑ گیا۔

بعد کے دور میں جب مسلمانوں نے ہندسوں کو رواج دیا لکھنے کے سامان اور کاغذ کی فراہمی بھی بآسانی ممکن ہوگئی تو چینی گن تارا اپنی اہمیت کھونے لگا کیونکہ اب کاغذوں پر زیادہ آسانی اور تیزی کے ساتھ حسابی عمل ممکن ہوگیا تھا لیکن جو ماہرین ہیں وہ آج بھی اس کا استعمال کرکے کیلکولیٹر کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔

اباکس کی یوں تو بہت قسمیں ہیں لیکن سب سے سادی قسم وہ ہے جس کے ہر تار میں نو موتیاں ہوتی ہے پہلے تار میں موجود موتیوں سے اکائیاں دوسری تار سے دہائیاں اور تیسری سے سینکڑے شمار ہوتے ہیں اور اسی طرح آگے بڑھتے ہیں ویسے ویسے قیمت بڑھتی ہے۔

اباکس سے نمبروں کو ظاہر کرنے کے لئے موتیوں کو ترتیب سے اوپر کیا جاتا ہے مثلاً اگر اکائی والی تار میں تین موتیاں دہائی والی میں چار اور سیکڑے والی میں آٹھ موتیاں اوپر کی جائیں تو اس سے جو نمبر ظاہر ہوگا وہ ۸۴۳، ہوگا۔

آؤ ملائیں ہاتھ

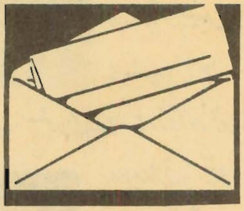

جنید حسین ، سات سال
جماعت دوئم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
۱۴۲۵، حسین منزل، ڈھاکہ روڈ، لاہور —— کینٹ

ولی محمد، چودہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر کرکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
اے، ۱۴/۱۰/۳ لانڈھی نمبر ۴ —— کراچی ۳۰

زاہد اقبال خان، پندرہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، تاریخی کتب کا مطالعہ
بڑے ہو کر ایس پی بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
گلی ڈاکٹر ممتاز والی، کامونکی، ضلع گوجرانوالہ

محمد صالح سندھی، بارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر کرکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سندھی
معرفت محمد حسین، آرا مشین والا نزد مچھلی مارکیٹ، ٹنڈوالہ یار

محمد ارشد الہدیٰ، چودہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، مطالعہ کرنا
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
کوارٹر نمبر ۱۰۸، قصبہ کالونی، منگھو پیر روڈ —— کراچی ۴۱

محمد ارشد، پندرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، بیڈمنٹن کھیلنا
بڑے ہو کر کمانڈر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
ملک محمد دین، مکان نمبر ۱۳۴، گلی نمبر ۱۰ —— چشتیاں

سہیل احمد راجپوت تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، قلمی دوستی
بڑے ہوکر ایس پی بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگریزی

ممد جنرل اسٹور، ایم اے جناح روڈ، دکان نمبر۴، میرپورخاص

جاوید رزاق، تیرہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر ملک و قوم کی خدمت کرنا
پسندیدہ مضمون، انگریزی

کوارٹر نمبر ۱۱۸/ بی نیو وحدت کالونی، حیدر آباد

آفتاب عالم، تیرہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، پڑھنا لکھنا
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، جیومیٹری

باسم چیمبرز، گاڑی احاطہ ——— حیدر آباد

شیخ عثمان، چودہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، ٹکٹ جمع کرنا
بڑے ہوکر کیا بنوں گا، غور نہیں کیا
پسندیدہ مضمون، عربی

مکان نمبر ۱۳۱/ پی، طارق آباد، ——— فیصل آباد

عرفان احمد، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، آنکھ مچولی پڑھنا
بڑے ہوکر پائلٹ بنوں گا۔
پسندیدہ مضمون، مطالعہ پاکستان

مکان نمبر ۲/ ڈی ۱۵۰ ریلوے کالونی ——— کراچی نمبر ۴

محمد شبیر، پندرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ، رسالے پڑھنا
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو

معرفت، گورنمنٹ ہائی اسکول، کنری، ضلع تھرپارکر

شہزاد حسین، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، مذہبی کتب پڑھنا
بڑے ہوکر بزنس مین بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، فزکس

معرفت عبدالغنی سموں، صرافہ بازار، ——— مٹلی

محمد صدیق، بارہ سال
جماعت ششم، مشغلہ، مصوری کرنا
بڑے ہوکر مصور بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ڈرائنگ

پیر بخش بلاک ورکس، پرانا گولیمار، منگھوپیر روڈ، ——— کراچی

محمد آصف، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، والی بال کھیلنا
بڑے ہوکر کیا بنوں گا، ابھی نہیں سوچا
پسندیدہ مضمون، انگریزی

اے/۵۱ ج سینٹر، شاہ فیصل کالونی، ——— کراچی

محمد یونس شہزاد، پندرہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، معلومات عامہ
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ریاضی

محمد اختر صدیقی ۱۱۱ ایس۔ ۴ رسول پارک ملتان روڈ، لاہور

سلمان حفیظ، پندرہ سال
جماعت دہم مشغلہ معلومات عامہ
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
بیراج کالونی بی/۱۵، ——— حیدرآباد

اخلاق احمد جونیجو، سترہ سال
جماعت دہم مشغلہ غمگین لوگوں سے دوستی
بڑے ہو کر وکیل بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
اخلاق احمد کبڑ پو، ڈینل شاہ پاڑا، ——— کوٹڑی سندھ

محمد اسلم، سترہ سال
جماعت ہفتم مشغلہ آنکھ مچولی پڑھنا
بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
نواز کریانہ اسٹور، محلہ محمد نگر، لانڈھی، ——— کراچی

ذاکر انور صدیقی، چودہ سال
جماعت ہفتم مشغلہ مطالعہ کرنا
بڑے ہو کر سائنسدان بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگریزی
مکان نمبر آر/۱۴۴۳، نصرت بھٹو کالونی، نارتھ ناظم آباد، کراچی

غلام شکیل، پندرہ سال
جماعت دہم مشغلہ رسائل پڑھنا
بڑے ہو کر میجر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، حساب
۸۲/۵ ایس. ون پولیس چوکی، ——— سعود آباد کراچی

ثاقب علی شاہ، بارہ سال
جماعت ہفتم مشغلہ معلومات عامہ
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
سید غیور علی شاہ ایڈووکیٹ، بنوں روڈ، ——— کوہاٹ

علی حیدر، نو سال
جماعت ششم مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
چک نمبر ۳۵، لڈن روڈ ——— وہاڑی

نور محمد، چودہ سال
جماعت ہشتم مشغلہ باسکٹ بال کھیلنا
بڑے ہو کر الیکٹریکل انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
معرفت علی محمد دکاندار، جناح کالونی، ——— خیرپور میرس

محمد رفیع انصاری، تیرہ سال
جماعت ہفتم مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر انجینئر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ریاضی
بی/۱۳ ایریا، کوارٹر نمبر ۳/۵۲، ——— لانڈھی نمبر ۶، کراچی

محمد سلیم مغل، پندرہ سال
جماعت ہفتم مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پروفیسر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ریاضی
محلہ مرکزی جامع مسجد، چوک بازار، ——— فتح جنگ

ایک صفحہ امّی ابو کے لیے

آج کل گرمیوں کی تعطیلات کے باعث اسکول بند ہیں ۔ بعض والدین کے لئے اسکول بند ہونا اس لحاظ سے خوشی کی بات ہے کہ انھیں روزانہ بچّوں کو اسکول سے لانے ، لے جانے کی تکلیف وہ ذمّہ داری سے وقتی نجات مل گئی ہے ، لیکن بہت سے والدین کے لیے چھٹّیوں کا یہ موسم اس لیے کوفت کا باعث ہے کہ بچّے جو وقت اسکول کو دیا کرتے تھے ، اب وہی وقت گھر میں ہنگامہ کرتے ہوئے گزارتے ہیں ۔

بہت سے والدین چھٹّیوں کے اس عارضی وقفے سے ایسا کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے جو اُن کے بچّوں کی تعلیم و تربیت اور اُن کی صلاحیتوں میں نشوونما کا باعث ہو ۔ یہاں ہم چند اہم باتیں ایسے والدین کی رہنمائی کے لیے لکھ رہے ہیں ۔

● اس میں کوئی شک نہیں کہ بچّے مطالعے سے زیادہ مشاہدے کے ذریعہ سیکھتے ہیں ۔ بچّوں کا ذہن ہر طرح کی فکر سے آزاد ہوتا ہے ۔ اسی لیے ایک بار غور سے دیکھی جانے والی چیز مدّتوں ان کے ذہن پر نقش رہتی ہے ... سیر و تفریح "مشاہدے" کا بہترین ذریعہ ہے ... اسکول کی تعطیلات سے فائدہ اٹھائیے اور اپنے اپنے حالات اور مصروفیات کے مطابق بچّوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کا پروگرام ترتیب دیجیے ۔ خیال رہے یہ گھومنا پھرنا بے مقصد نہ ہو ، بڑے شہر ، تاریخی مقامات ، اہم جگہیں ، مناظر فطرت ، ان سب کا مشاہدہ معلومات کے حصول کے علاوہ بچّوں کو بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کا موقع عطا کرے گا ۔ جو والدین دُور دراز کے پروگرام نہ بنا سکیں ، انھیں چاہیئے ... اپنے شہر ، قصبے یا گاؤں کے قریب جہاں ممکن ہو لے جائیں ، کھیتی باڑی کے طور طریقے دکھائیں ، فیکٹریوں ، کارخانوں کا دورہ کروائیں ... آب پاشی کے نظام ... تجارتی مراکز ... تفریح گاہیں ، غرض جو جگہ بھی آپ کی دسترس میں ہو ، وہاں بچّوں کے ساتھ جائیں ۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یقین رکھیں کہ چھٹّیاں ضائع نہیں گئیں ۔

● بعض بچّے چھٹّیوں کا ہوم ورک آخر کے لیے اٹھا رکھتے ہیں ، بعض شروع میں کر لیتے ہیں اور بعض کر ہی نہیں پاتے ... ہوم ورک دینے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اسکول سے وقتی دُوری کے باعث کہیں پڑھنے لکھنے سے دل اُچاٹ ہی نہ ہو جائے .... اس لیے ضروری ہے کہ بچّے روزانہ تھوڑا تھوڑا سا ہوم ورک کرتے رہیں تاکہ پڑھنے لکھنے کی عادت باقی رہے اور چھٹّیوں کے بعد دوبارہ اسکول جانا گراں نہ گزرے ... بچّے کے ہوم ورک کا خیال رکھنا اور اس کی توجّہ اس جانب مبذول کرواتے رہنا آپ کی ذمّہ داری ہے ۔

اتنے سارے پھلوں کا
تازہ نکھرا روپ
احمد
مکسڈ فروٹ جام
TASTE AHMED PRESERVES
AHMED'S
JAM
MIXEDFRUIT

Regd. No, M-266 AUGUST 1987
Monthly AANKH MICHOLEE Karachi

لاریب پرنٹنگ پریس کراچی فون: ۲۱۷۳۱۰ - ۲۱۷۷۴۰